تفسیر تدبرِ قرآن کی روشنی میں قرآنی سورتوں کے مرکزی مفاہیم

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

جمع وتقدیم
سید متین احمد شاہ

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی
اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

کتابِ مہجور کا درد رکھنے والوں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر تدبرِ قرآن کی روشنی میں قرآنی سورتوں کے مرکزی مفاہیم

پیش گفتار

قرآنی سورتوں کے موضوعی اور مقاصدی پہلوؤں پر بیسویں صدی میں خاص طور پر محققینِ قرآن کا کافی کام عرب وعجم میں سامنے آیا ہے۔ عرب دنیا میں **في ظلال القرآن**، **التحرير والتنوير**، **الأساس في التفسير**، **التفسير الموضوعي لسور القرآن الكريم** وغیرہ جب کہ عجمی دنیا، خصوصا برصغیر میں، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین علی، مولانا طاہر پنج پیری وغیرہم کے طرز تفسیر میں اس کے عمدہ نمونے ملتے ہیں، تاہم نظم قرآن کو جس گہرائی اور تنظیم کے ساتھ مولانا حمید الدین فراہی نے پیش کیا، اس علم کی تاریخ میں اس گہرائی کی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی کے پیشِ نظر اپنے نظریۂ نظم کی روشنی میں ایک مستقل تفسیر **تفسير نظام القرآن وتأويل الفرقان بالفرقان** لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن افسوس ہے کہ دیگر بہت سے کاموں کی طرح وہ اپنی نوعیت کی یہ عظیم اور منفرد تفسیر مکمل رقم نہ کر سکے، تاہم اس کے جو اجزا موجود ہیں ان سے ان کی اس میدان میں عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح قرآنِ کریم کے اس سچے طالب علم نے تفسیر نویسی کے اس اعلی معیار کی بنیاد ڈالی جس کی سطح قدما کے ہاں ملتی ہے۔ اس میں مختلف تفسیروں کو سامنے رکھ کر موجودہ دور کے بہت سے مصنفین کی طرح تفسیر نویسی کا شوق پورا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ پہلے مدتوں ان بنیادی علوم اور وسائل پر مولانا فراہی نے غیر معمولی محنت کی اور پھر قرآن کے بہ راہِ راست مطالعے کی نیو ڈالی جس سے اس میدان میں گویا ایک نئی بانگِ دراطالبینِ قرآن کو سنائی دی۔ اس تفسیر میں کلام کی وجوہِ تالیف کا جو حسن اور اعجاز نمایاں کیا گیا ہے، وہ ان کی عربی بلاغت پر مجتہدانہ نظر کا پتا دیتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ اس باب میں مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کے بہ قول امام

تھے۔ بعض وجوہ سے ان کے کام میں ایک گہرائی اور تعمق پایا جاتا ہے۔ یہ دعوی محض کسی عقیدت مند کا ہوتا تو شاید اس کی علمی لحاظ سے کوئی قدر وقیمت نہ ہوتی، لیکن جن اہلِ علم نے بھی کسی مسلکی تعصب کے بغیر قرآنی اعجاز کے اس باب کا مطالعہ کیا ہے، انھوں نے اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ چناں چہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، جو اس آخری دور میں قرآنی علوم و تفسیر اور عربی ادب کا ایک یکتا اور منفرد ذوق رکھتے تھے اور قدیم وجدید کی جامعیت کی ایک حیرت انگیز شان رکھتے تھے، مولانا فراہیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

> ربطِ آیات کو اس جامع اور عمیق طریقے پر اور ربطِ آیات کو بنیاد بنا کر صرف یہی نہیں کہ آیات باہم مربوط ہیں اور بیچ میں ان کے درمیان کوئی خلیج واقع نہیں ہے یا یہ کہ کسی قسم کا کوئی بعدِ معنوی نہیں بلکہ وہ ربطِ آیات قرآن مجید کے نزول کے مقصد اور اللہ تبارک وتعالی کے ہدایت بشری کے عام کلیے، جو اس کا طے کیا ہوا قانون ہے، اس کے ماتحت ہے۔ ربطِ آیات کا اتنا وسیع تخیل اور پھر اس کی تطبیق ایسی جس کی نظیر پچھلے کاموں میں بہت کم ملتی ہے، میں احتیاط کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ نہیں ملتی۔ (۱)

مولانا اصلاحی نے تفسیر **تدبرِ قرآن** میں مولانا فراہی کے کام ہی کو آگے بڑھایا ہے۔ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات میں سے نظمِ قرآن کا اہتمام ہے۔ ویسے تو قرآنی آیات اور سورتوں کے درمیان ربط مناسبت کا اہتمام بہت سے مفسرین کے ہاں ملتا ہے لیکن سورتوں کو بہ حیثیت ایک کل کے لے کر ان کے بہ ظاہر منتشر نظر آنے والے اجزا کو ایک کلی وحدت کی لڑی میں پرونے کا تفسیری رجحان بیسویں صدی میں زیادہ سامنے آیا۔ اس کے مختلف محرکات میں سے ایک محرک مستشرقین کا یہ اعتراض بھی تھا کہ قرآن ایک غیر مربوط کتاب ہے اور اس کے اجزا میں کوئی منطقی مناسبت نہیں ہے۔ چناں چہ اس کتاب کو ایک مربوط کتاب کی شکل میں پیش کرنے اور اس کے نظم میں چھپے اسرار کو نمایاں کرنے کے لیے بہت سے لوگوں نے کام کیا۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس میدان میں ہمارے علم کی حد تک مولانا فراہی کا کام زیادہ عمیق اور وسیع نوعیت کا ہے۔ انھوں نے نہ صرف نظم کو عملا برتا، بلکہ اس کے معلوم کرنے کے لیے مستقل اصول وضع کیے جو ان کی کتابوں **التكميل في أصول التأويل** اور **دلائل النظام** میں مذکور ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اپنے عظیم استاد

---

۱ - خطبۂ استقبالیہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مشمولہ، **علامہ حمید الدین فراہی: حیات و افکار**، اعظم گڑھ، انجمن طلبۂ قدیم، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۔

کے کام کو آگے بڑھایا اور مولانا فراہیؒ کے تفسیری اصولوں کی روشنی میں اردو زبان میں معروف تفسیر **تدبرِ قرآن** تحریر کی جس میں نظریۂ نظم کو عملاً برت کر دکھایا گیا ہے۔ ہر انسانی کام کی طرح یقیناً اس کام میں بھی فروگزاشتیں اور کمزوریاں ہوں گی اور ہیں لیکن اس سے اس کام کی اہمیت ختم یا کم نہیں ہو جاتی۔ ہر محقق اپنا کام کر کے اگلی نسلوں کے لیے راستہ فراہم کر جاتا ہے۔

نظریۂ نظم کی وضاحت

مولانا اصلاحیؒ کے نظریۂ نظم پر ہونے والے کاموں میں سب سے بہتر تحقیقی کام ڈاکٹر مستنصر میر کی کتاب *The Coherence in the Qur`an* ہے۔ اس میں بہت عالمانہ انداز میں اس نظریے کے محاسن اور معائب پر گفت گو کی گئی ہے۔ تفصیل کے طالبین کو یہ کتاب ضرور ملاحظہ کرنی چاہیے۔

ظاہری نظم

مولانا اصلاحی نے قرآنی نظم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ظاہری نظم اور مخفی نظم؛ ظاہری نظم کی رو سے تمام قرآنی سورتیں سات گروپوں میں تقسیم ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں، پھر مدنی سورتیں ہیں۔

پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے، باقی چار مدنی ہیں۔

دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال اور توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرے گروپ میں پہلے چودہ سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورۂ نور ہے جو مدنی ہے۔

چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں آٹھ سورتیں مکی ہیں، آخر میں احزاب مدنی ہے۔

پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں تیرہ سورتیں مکی ہیں اور آخری تین مدنی ہیں۔

چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اور آخری دس مدنی۔

ساتواں گروپ الملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔

مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ پہلے گروپ میں اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت اور نئی امت کی تشکیل کے بعد اسے آخری شریعت کی ذمے داری سونپے جانے کا بیان ہے؛ دوسرے گروپ میں عرب امیین پر اتمامِ حجت اور رسول اللہ ﷺ کے مکذبین و متبعین کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے کا بیان ہے؛ تیسرے گروپ میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ حق و باطل کی جو کشمکش شروع ہوئی ہے اس کا اختتام رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی حق کے غلبے اور باطل کی شکست کی صورت میں نمودار ہو گا؛ چوتھے گروپ میں رسالت کے عقیدے کا اثبات اور اس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے؛ پانچویں گروپ میں توحید کے دلائل اور شرک کی تردید کی گئی ہے؛ چھٹے گروپ میں آخرت کے عقیدے کی تفصیلی وضاحت ہے اور آخری گروپ کا موضوع انذار ہے۔ (اصلاحی، تدبر قرآن، ۱: ۲۶-۲۷)

ان میں سے پہلے گروپ کو الگ کر لیجیے تو قرآن میں ان کی ترتیب خاتمہ سے ابتدا کی طرف ہے۔ چناں چہ ساتواں گروپ انذار و بشارت ہی پر مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چھٹے، پانچویں، چوتھے اور تیسرے گروپ میں انذار و بشارت کے ساتھ تزکیہ اور تطہیر کا مضمون بھی شامل ہو گیا ہے۔ پھر دوسرا اور اس سلسلے کا آخری گروپ ہے جس میں پیغمبر کا انذار اپنے منتہا کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا اتمام حجت اور تزکیہ و تطہیر کے ساتھ اس میں مخاطبین کے آسمانی عدالت کا وہ فیصلہ بھی سامنے آ جاتا ہے جسے ہم قیامت سے پہلے خدا کی آخری دینونت سے تعبیر کرتے ہیں۔

پہلا باب اس لحاظ سے بالکل الگ ہے کہ وہ مشرکین عرب کے بجائے یہود و نصاریٰ سے خاص ہے، لیکن قرآن کی ابتدا سے دیکھیے تو یہ بھی اتمامِ حجت اور تزکیہ و تطہیر کے بعد سورۂ توبہ میں دینونت کے مضمون سے بالکل اسی طرح مربوط ہوتا ہے، جس طرح اوپر کے ابواب، اگر خاتمے سے ابتدا کی طرف آیئے تو ترتیبِ صعودی سے

مربوط ہوئے ہیں۔ لہذا دوسرا باب گویا ایک ذروۂ سنام ہے جہاں دونوں طرف سے ایک ہی مضمون، محض اس فرق کے ساتھ کہ مخاطبین تبدیل ہو گئے ہیں، اپنے نقطۂ کمال تک پہنچتا اور ختم ہو جاتا ہے۔ (۲)

جس طرح یہ گروپ اپنے اندر موضوعی وحدت رکھتے ہیں، اسی طرح ان گروپوں میں زبان وبلاغت کی نزاکتوں کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ ان گروپوں میں قرآن کی زبان کی جو فنی ساخت ہے، وہ ان مضامین کے لحاظ سے مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ جس طرح سید قطب شہیدؒ نے قرآنِ کریم میں مشاہدِ قیامت کا موضوعی اور فنی مطالعہ پیش کیا ہے، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے جو سورتوں کے گروپ متعین کیے ہیں، ان میں موضوعی کے ساتھ فنی اور بلاغی پہلوؤں سے پائے جانے والے فروق کو نمایاں کیا جائے۔

گروپوں کی تعداد، بعض سورتوں کے مکی مدنی ہونے اور عمود کے تعین میں مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور جناب جاوید احمد غامدی کا بعض امور میں آپس میں اختلاف ہے۔

مخفی نظم

مخفی نظم کی رو سے قرآن کی ہر سورت ایک موضوعی وحدت رکھتی ہے اور یہ سورتیں آپس میں جوڑوں کا تعلق رکھتی ہیں۔

قرآنی سورت میں نظم

قرآنِ کریم کی سورت میں نظم کے خصائص حسبِ ذیل ہیں:

۱- ہر سورہ کا ایک موضوع ہوتا ہے جو ان تمام اجزا کے لیے ایک رشتۂ وحدت کی حیثیت رکھتا ہے جن سے سورہ کے مضمون کی تالیف ہوتی ہے۔ اسے ہم روح کی طرح سورہ کے پورے وجود میں سرایت کیے ہوئے دیکھتے ہیں۔

۲- اصل مضمون کے ساتھ سورہ میں بالعموم ایک تمہید بھی ہوتی ہے اور خاتمہ بھی۔ سورہ کے مضمون کو ہم بعض سورتوں میں فصول اور پیروں میں اور بعض میں صرف پیروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پیرے مضمون کے وقفوں اور فصول اس کے تغیرات کو نمایاں کرتی ہیں۔ تمہید اور خاتمہ کی آیات بھی اسی طرح اپنے مضمون کے لحاظ سے بعض مقامات پر پیروں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔

---

۲ - جاوید احمد غامدی، **البیان**، (لاہور: المورد، ط۷، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۱ و ما بعد۔

۳- یہ پیرے اور فصول ربطِ آیات کے طریقے پر نہیں ، بلکہ تمثیل، تعلیل، تاصیل، تکمیل، سوال، جواب، تفریع، نتیجہ، اعتراض، تنبیہ، تقابل، تشابہ، عود علی البدء، استدراک اور اس طرح کے بعض دوسرے پہلوؤں سے باہم دگر متعلق ہوتے اور سورہ کو ایک مربوط کلام بناتے ہیں۔

۴- سورہ کا مضمون ان پیروں اور فصول میں اپنے تدریجی ارتقا کے ساتھ اپنے اتمام کو پہنچتا ہے، چناں چہ اس کے نتیجے میں وہ ایک منفرد اور متعین صورت حاصل کرتی ہے اور اپنے وجود میں ایسی وحدت بن جاتی ہے جو ہر لحاظ سے مستقل بالذات اور کامل ہوتی ہے۔ (۳)

سورتوں کے جوڑوں میں نظم

قرآن کے مخفی نظم کی ایک خصوصیت، مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک، یہ ہے کہ اس کی سورتیں انفرادی طور پر نظم پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جوڑوں کی شکل میں نظم کا ایک نیا پہلو پیش کرتی ہیں۔ اس کے مطابق ہر سورت کا ایک زوج یا جوڑا ہے۔ اور ان میں اسی طرح کی مناسبت ہوتی ہے جو زوجین میں ہوتی ہے اور دونوں سورتیں مل کر کسی ایک مضمون کو مکمل کرتی ہیں۔ ڈاکٹر مستنصر میر نے مذکورہ بالا کتاب میں ان پہلوؤں کو بہت خوب صورت انداز میں واضح کیا ہے کہ ان سورتوں میں جو "تکمیلیت' (Complimentarity) کا تعلق ہوتا ہے، اس کے کیا کیا مظاہر ہوتے ہیں؟ جن سورتوں کو ایک دوسرے کا مثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان کے موضوع میں نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کبھی ایک سورت میں ایک فریق سے بحث ہوتی ہے تو دوسری سورت میں دوسرے فریق سے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ میں یہود پر جب کہ سورۃ آل عمران میں نصاریٰ پر اتمام حجت کر کے منصبِ امامت سے ان کی معزولی کا اعلان کیا گیا ہے (اصلاحی، **تدبرِ قران**، ۲: ۹-۱۴)۔ کبھی ایک سورت میں ایک حقیقت واضح کی جاتی ہے تو دوسری سورت میں اس کا لازمی نتیجہ سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ چناں چہ سورۃ الأنعام اور سورۃ الأعراف ایک دوسرے کے مثنی ہیں۔ سورۃ الأنعام میں مشرکینِ عرب پر اتمام حجت کیا گیا ہے، جب کہ سورۃ الأعراف انذار کی سورت ہے جس میں مشرکین عرب کو اس عذاب سے خبر دار کیا گیا ہے جو رسول کے مکذبین پر دنیا و آخرت میں آتا ہے (نفسِ مصدر، ۳: ۲۱۵)۔ کبھی ایک سورت میں تصویر کا ایک پہلو دکھایا جاتا ہے تو اس کے جوڑے میں تصویر کا دوسرا رخ سامنے

---

۳ - غامدی، **البیان**، ص ۵۲، ۵۳۔

آجاتا ہے، جیسے سورة القیٰمة میں قیامت کے ذکر میں انذار کا پہلو غالب ہے تو سورة الدھر میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے (نفسِ مصدر، ۹: ۹۹)۔ اسی طرح کسی سورت میں کسی بات کا اجمالاً ذکر ہوتا ہے تو اس کے جوڑے میں اس کی تفصیل سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سورة الفرقان میں جن انبیاء علیہم السلام کا اجمالاً ذکر ہے، ان کا تفصیلی ذکر سورة الشعراء میں ہے (نفسِ مصدر، ۵: ۴۹۵)۔ یا سورۂ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ نسبتاً تفصیل سے اور نوح علیہ السلام کا تذکرہ اجمالاً ہوا ہے تو سورة ھود میں اس کے برعکس ہوا ہے (نفسِ مصدر، ۴: ۹۷)۔ اسی طرح مثنیٰ سورتوں کے موضوع میں تعلق کی دیگر کئی نوعیتیں بھی انھوں نے ذکر کی ہیں۔(۴)

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک بعض سورتیں جوڑا ہونے کے قانون سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ مثال کے طور پر سورة الفاتحة کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا دیباچہ ہے، اس لیے باقی پورا قرآن اس کا جوڑا ہے (اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۱: ۶۹– ۷۱)۔ اسی طرح سورة النور کے متعلق مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ یہ اپنے گروپ کے آخر میں ضمیمے کی حیثیت رکھتی ہے۔ (نفسِ مصدر، ۵: ۳۵۵)۔ یہی بات وہ سورة الأحزاب اور سورة الحجرات کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ مولانا اصلاحی سات گروپوں میں سورتوں کی اس تقسیم کو منصوص مانتے ہیں۔ ﴿ وَلَقَدْ ءَاتَيْنَٰكَ سَبْعًا مِّنَ ٱلْمَثَانِى وَٱلْقُرْءَانَ ٱلْعَظِيمَ ﴾ (القرآن ۱۵: ۸۷) کی تفسیر میں وہ کہتے ہیں کہ مثانی مثنیٰ کی جمع ہے جو دہرائی جانے والی چیز کو نہیں کہتے، بلکہ اس کا مفہوم ہے "دو، دو" یا "جوڑا جوڑا"۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ یہاں مراد سورتوں کے سات گروپ ہیں جو دو دو سورتوں کے جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ (اصلاحی، نفسِ مصدر، ۴: ۳۷۶-۳۷۸)

تاہم قرآنِ کریم سے اس ترتیب کو منصوص بتاتا ایک تکلف اور کم زور تاویل ہے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کا اعتراض بالکل بجا ہے کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سے سات منزلیں کیوں مراد نہیں ہو سکتیں؟ اسی طرح جب

---

[۴] - تکملیت کی یہ نوعیت جناب مشتاق احمد صاحب کے ایک مضمون "فراہی مکتب فکر اور سیرت نگاری" سے نقل کی گئی ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے مجلے **فکر و نظر** (اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۴ء) میں شائع ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے ڈاکٹر میر کی کتاب دیکھی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو ابھی بہت سا قرآن نازل ہونا باقی تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے اس آیت کی کیا توجیہ ہو گی؟ کیا صحابہ کے ہاں بھی اس کی مراد یہی تھی؟

مولانا حمید الدین فراہیؒ نے خود **نظام القرآن وتأويل الفرقان بالفرقان** کے نام سے قرآن کی تفسیر شروع کی تھی، لیکن وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے۔ اس تفسیر کی سورۂ فاتحہ اور بقرہ کا ناتمام حصہ اور پھر قرآن کی آخری سورتوں کی تفسیر شائع ہوئی ہے۔ اس آخری حصے کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے **مجموعۂ تفاسیر فراہی** کے نام سے کیا تھا جو دست یاب ہے۔ مولانا فراہیؒ کے کام کو ان کے دو نام ور شاگردوں، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے آگے بڑھایا۔ اختر احسن نے مدرسۃ الاصلاح میں تدریسِ قرآن کے ذریعے اور امین احسن نے قلم کے ذریعے جس کا نتیجہ ان کی شاہ کار تفسیر **تدبرِ قرآن** ہے۔ یہ تفسیر بنیادی طور پر مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نظریۂ نظم پر مبنی ہے اور قرآنِ کریم پر غور و فکر کے منہج میں بنیادی تبدیلیوں کی حامل ہے۔ اس پر مختلف پہلوؤں سے نقد و نظر کی گنجائش^(۵) کے باوجود انسانی سطح پر تدبرِ قرآن کی ایک اعلا سطح کی فاضلانہ محنت ہے۔ اس میں قرآنِ کریم کی کئی مشکلات کا حل اور ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کا جواب ملتا ہے۔ تصورِ نظم کی تطبیق کا انداز بڑی حد تک بے ساختہ اور بدیہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں گہرائی اور عموم و شمول کا وصف غالب ہے۔ یہ مطالعہ قرآنِ کریم پر براہ راست غور کا نتیجہ ہے۔

مولانا اصلاحیؒ کی تفسیر اگرچہ مولانا فراہیؒ کے اصولوں اور طریقِ تدبر کی تطبیق ہے، لیکن ایسا نہیں کہ مولانا اصلاحی نے ایک اندھے مقلد کی طرح استاد کی بات کو اختیار کیا ہو، بلکہ وہ تفسیر میں ان سے اختلاف کرتے

---

۵ - مولانا اصلاحیؒ کے نظریۂ نظم کے محاسن اور اس کی علمی قدر و قیمت کے تعین کے ساتھ ڈاکٹر مستنصر میر نے اپنی مذکورِ سابق کتاب میں اس کی کم زوریوں پر بھی گفت گو کی ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے بہت عمدہ اور متوازن تجزیے پر مشتمل ہے کہ اس میں تحقیق کے آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسے تعصب اور عقیدتِ بے جا کے درمیان رہتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس تفسیر پر ایک اچھا لیکن ناتمام نقد مولانا جلیل احسن ندویؒ کا **تدبرِ قرآن پر ایک نظر** کے نام سے ہے۔ اس میں مولانا اصلاحی کی تفسیر میں پائے جانے والے بعض تسامحات کی اچھی نشان دہی کی گئی ہے، بعض مقامات پر ان کی ترجیحات پر بحث کی گئی ہے، جب کہ بعض اعتراضات زیادہ وزنی نہیں ہیں۔ عربی زبان و ادب کے نام ور محقق ڈاکٹر خورشید رضوی نے بھی اس پر دو مقالات لکھے ہیں جو تفسیر پر عربیت کے پہلو سے گرفت کرتے ہیں۔ یہ مقالات علی گڑھ سے شائع ہونے والے علمی مجلے **تحقیقاتِ اسلامی** میں شائع ہوئے ہیں۔ بعض اور لوگوں نے بھی تنقید کی ہے، لیکن ان تنقیدات میں عام طور پر گروہی جانب داری کا عنصر غالب ہے اور تفسیر کی خوبیوں کا اعتراف نہیں ملتا۔

ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ اختلاف سورتوں کے گروپوں کے تعین (مولانا فراہیؒ کے ہاں نو اور مولانا اصلاحیؒ کے ہاں سات گروپ ہیں)، عمود کی دریافت اور آیات کی تفسیر و تاویل، مختلف پہلوؤں میں نظر آتا ہے، تاہم یہ درست ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کے پیشِ نظر اگر فراہیؒ کا اجمالی کام نہ ہوتا تو شاید اس تفسیر کی اس شکل میں تکمیل ممکن نہ ہوتی۔ چند سال قبل مولانا فراہیؒ کے قرآن پر تفسیری حواشی **تعلیقات** کے نام سے چھپ کر شائع ہوئے ہیں، جن کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے اس مصحف سے بھرپور استفادہ کیا ہے جس پر مولانا فراہیؒ قلم سے نوٹ لکھتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کے پیشِ نظر چوں کہ یہ حواشی نہیں تھے (کیوں کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کے بہت بعد میں شائع ہوئے) اس لیے انھوں نے کہا ہے کہ سورتوں کے جوڑے ہونے کا تصور مولانا اصلاحیؒ کا ذاتی تصور ہے، لیکن مذکورہ بالا حواشی میں اس کے اشارات بالکل واضح ہیں جہاں مولانا فراہیؒ بعض سورتوں کے جوڑا ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

نظریۂ نظم کی وضاحت کے لیے یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ اس تمہید سے مقصود آنے والے صفحات میں قرآنی سورتوں کے خلاصہ جات کے لیے ابتدائی تعارف فراہم کرنا ہے جو بنیادی طور پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی **تدبرِ قرآن** سے ماخوذ ہیں۔ ان کو سب سے پہلے سال ۲۰۱۴ء کے رمضان المبارک میں سوشل میڈیا کے معروف فورم فیس بک پر قسط وار شیئر کیا گیا، جسے قرآنی ذوق رکھنے والوں نے پسند کر کے حوصلہ افزائی کی اور اس کا تقاضا کرتے رہے کہ انھیں یکجا جمع کرنا ضروری ہے تاکہ فائدہ عام ہو جائے۔ اسی جذبے سے ان کو مرتب کر دیا گیا ہے۔ انھیں بار بار پڑھ کر ذہن نشین کر کے کسی سورت کا براہِ راست مطالعہ کیا جائے تو امید ہے یہ عمل قرآن کے پیغام کو سمجھنے اور اسے یاد رکھنے میں کسی حد تک معاون ہو گا۔ کسی کو اگر یہ عمل پسند آئے تو امید ہے وہ کلمۂ دعا کہنے میں بخل نہیں کرے گا۔

سید متین احمد شاہ

اسلام آباد

یکم جون ۲۰۱۵ء

سورتوں کے خلاصہ جات اور مرکزی مضامین

پہلا گ

۳۵-سورة فاطر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... سورۂ سبا... کی توام سورہ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس کا بھی اصل مضمون توحید ہی ہے۔ اس کا آغاز خدا کی حمد کے اثبات اور فرشتوں کی الوہیت کے تصور کے ابطال سے ہوا ہے۔ پھر توحید ہی کے تحت رسالت و معاد سے متعلق وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو مقصد انذار کے پہلو سے ضروری اور سورہ کے مزاج اور اس کے زمانۂ نزول سے مناسبت رکھنے والی ہیں۔ پچھلی سورہ میں ، یاد ہو گا، جنوں اور ملائکہ کی الوہیت کے تصور کا ابطال فرمایا ہے۔ اس سورہ میں ملائکہ کی الوہیت کے تصور کی تردید نسبۃً زیادہ واضح الفاظ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کے مزعومہ معبودوں میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔

۳۶- سورۃ یس

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سورۂ یٰسٓ اور گروپ کی پچھلی دونوں سورتوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پچھلی سورتوں میں توحید، معاد اور رسالت کے جو مطالب زیر بحث آئے ہیں انہی پر اس میں بھی بحث ہوئی ہے۔ البتہ تفصیل و اجمال اور نہج استدلال کے اعتبار سے فرق ہے۔ پچھلی سورہ کے بعض مطالب اس میں تاریخی اور فطری دلائل سے اچھی طرح محکم و مدلل کر دیے گئے ہیں۔ اس کا آغاز اثبات رسالت کے اسی مضمون سے ہوا ہے جس پر سابق سورہ تمام ہوئی ہے۔ اور فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی واضح طور پر نظر آئے گی کہ اس کی بنیاد بھی، پچھلی سورتوں کی طرح، شکر اور اس کے مقتضیات ہی پر ہے۔ آگے ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے اس کا عمود اور نظام ان شاء اللہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

۳۷- سورة الصافات

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ... سورۂ یٰسٓ ... کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ توحید، قیامت اور رسالت کے اصولی مباحث جس طرح اس گروپ کی پچھلی سورتوں میں زیر بحث آئے ہیں اسی طرح اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں البتہ نہج استدلال اور ترتیب بیان مختلف ہے۔ توحید جو اس پورے گروپ کی روح ہے، اس سورہ میں بھی نمایاں ہے۔ لیکن اس میں اس کے ایک خاص پہلو ... الوہیت ملائکہ کے تصور کے ابطال ... کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لیا ہے۔ احوال قیامت کی تصویر اس میں ایسے زاویہ سے پیش کی گئی ہے جس سے مشرکین کے عوام اور ان کے لیڈروں کی باہمی تو تکار سامنے آتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ بھی اس میں اجمالاً بیان ہوئی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جن قوموں نے رسولوں کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹا دیا۔ فلاح صرف رسولوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو حاصل ہوئی۔

۳۸- سورة ص

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس گروپ کی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورہ کی بنیاد بھی توحید پر ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ قرآن قریش کے لیے ایک عظیم یاددہانی ہے لیکن یہ محض اپنے کبر و غرور اور شرک پرستی کے جوش و جنون میں اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس انجام سے بالکل بے پروا ہیں جس سے قرآن ان کو آگاہ کر رہا ہے۔ یہ اس انجام کو دیکھ کر اس پر ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان بالکل بے سود ہو گا۔

۳۹- سورة الزمر

یہ سورہ سابق سورہ... سورۂ صٓ... کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس مضمون پر سابق سورہ ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ سورۂ صٓ کے آخر میں فرمایا ہے کہ یہ قرآن دنیا والوں کے لیے ایک عظیم یاددہانی ہے، لوگوں کو یاد دلا رہا ہے کہ آخرت شدنی ہے اور سب کو ایک ہی رب حقیقی کے آگے پیش ہونا ہے تو جو لوگ آج اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ بہت جلد اس کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اب اس سورہ کی تلاوت کیجیے تو اس کا آغاز بھی اسی مضمون سے ہوتا ہے کہ خدائے عزیز و حکیم نے یہ کتاب نہایت اہتمام سے اس لیے اتاری ہے کہ لوگوں نے اللہ کی توحید کے بارے میں جو اختلافات پیدا کر رکھے ہیں ان کا فیصلہ کر دے تاکہ حق واضح ہو جائے اور جو لوگ اپنے فرضی دیویوں دیوتاؤں کے بل پر آخرت سے نچنت بیٹھے ہیں وہ چاہیں تو وقت آنے سے پہلے اپنی عاقبت کی فکر کر لیں۔ اسی پہلو سے اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں، شرک اور شرکاء کی تردید بھی فرمائی گئی ہے اور قیامت کے دن مشرکین کا جو حشر ہو گا اس کی تصویر بھی کھینچی گئی ہے۔ سورہ کی بنیاد توحید پر ہے اور اسی تعلق سے اس میں قیامت کا بھی بیان ہوا ہے۔ یہ سورہ اس گروپ کی ان سورتوں میں سے ہے جو کشمکش حق و باطل کے اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب ہجرت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ بعد کی سورتوں میں یہ مضمون بالتدریج واضح ہوتا گیا ہے۔

۴۰- سورة المؤمن

گروپ کی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورہ کی بنیاد بھی توحید ہی پر ہے۔ قرآن کے دوسرے اصولی مطالب بھی اس میں زیر بحث آئے ہیں لیکن اصلاً نہیں بلکہ ضمناً توحید کے لوازم ومقتضیات کی حیثیت سے آئے ہیں۔

اس کا قرآن نام ’حٰمٓ‘ ہے اور یہی نام اس کے بعد کی چھ سورتوں کا بھی ہے۔ یہ ساتویں ’حوامیم‘ کے نام سے مشہور ہیں اور اپنے ناموں کی طرح اپنے مطالب میں بھی مشترک ہیں۔ یہ تمام سورتیں دعوت کے اس دور سے تعلق رکھنے والی ہیں جب توحید و شرک کی بحث نے اتنی شدت اختیار کرلی تھی کہ پیغمبر ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا تھا۔ ہجرت کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکا ہے۔ اب اس میں اور آگے کی سورتوں میں وقت کے یہ حالات بالتدریج نمایاں ہوتے جائیں گے اور ان کے تقاضے سے پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت وحمایت بھی بالکل واضح ہوتا جائے گا۔ جو مسلمان اس وقت حالات سے نبرد آزما تھے ان کی اس میں حوصلہ افزائی کی گئی ہے، جو خطرات میں تھے ان کو تسلی دی گئی ہے اور جو دعوت کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے باوجود، کسی مصلحت سے، اب تک کھل کر اس کی حمایت کے لیے میدان میں نہیں اترے تھے ان کو یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ مصلحتوں سے بے پروا ہو کر وہ کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو گا۔

۴۱-سورة المؤمن

اس سورہ کا بھی اصل مضمون سابق سورہ کی طرح توحید ہی ہے۔ اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں اوران لوگوں کوانذار بھی کیا گیاہے جو قرآن کی دعوت توحید کی مخالفت کررہے تھے۔ ساتھ ہی ان ایمان والوں کوابدی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے جو مخالفوں کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم، توحید پر استوار رہیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمہارے دشمن خواہ کتنا ہی جاہلانہ رویہ اختیار کریں لیکن تم ان کی جہالت کاجواب صبر وبردباری سے دینا۔ یہی طریقہ بابرکت اور اسی میں تمہاری دعوت کی کامیابی مضمر ہے۔

۴۱- سورة فصلت

اس سورت کا بھی اصل مضمون سابق سورت کی طرح توحید ہی ہے۔ اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں اور ان لوگوں کو انذار بھی کیا گیا ہے جو قرآن کی دعوتِ توحید کی مخالفت کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ان ایمان والوں کو ابدی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے جو مخالفوں کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم، توحید پر استوار رہیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمھارے دشمن خواہ کتنا ہی جاہلانہ رویہ اختیار کریں، لیکن تم ان کی جہالت کا جواب صبر اور بردباری سے دینا۔ یہی طریقہ بابرکت اور اسی میں تمھاری دعوت کی کامیابی مضمر ہے۔

۴۲- سورة الشوری

اس سورہ کا بھی مرکزی مضمون توحید ہی ہے۔ اسی کے تحت قیامت سے بھی ڈرایا گیا ہے اس لیے کہ توحید کی اصلی اہمیت اسی وقت سامنے آتی ہے جب اس بات پر ایمان ہو کہ انصاف کا ایک دن لازماً آنے والا ہے اور اس دن ہر شخص کو سابقہ اللہ واحد و قہار ہی سے پیش آئے گا، کسی کی مجال نہیں ہو گی کہ اس کی پکڑ سے کسی کو بچا سکے یا اس کے اذن کے بغیر اس کے سامنے زبان ہلا سکے۔

استدلال کی بنیاد اس میں دعوت انبیاء کی تاریخ پر ہے کہ آدمؑ و نوحؑ سے لے کر اب تک تمام انبیاء نے اسی دین توحید کی دعوت دی اور ان کو بھی اللہ نے اسی طرح وحی کے ذریعہ سے تعلیم دی جس طرح یہ قرآن وحی کیا جا رہا ہے۔ مختلف حلقوں نے دین کے معاملہ میں جو اختلاف کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے رسولوں نے الگ الگ دینوں کی تعلیم دی بلکہ اس کی وجہ صرف باہمی عداوت و رقابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علم آجانے کے باوجود مختلف گروہوں نے اپنی ضد اور اپنی برتری قائم رکھنے کے زعم میں حق سے اختلاف کی اور اس طرح لوگ مختلف گروہوں اور حلقوں میں بٹتے گئے۔ یہ قرآن اسی اختلاف کو مٹانے کے لیے ایک میزان حق بن کر نازل ہوا ہے۔ اگر لوگ اس میزان کے فیصلہ کو قبول نہیں کریں گے تو اب قیامت کی میزان عدل لوگوں کا فیصلہ کرے گی۔ سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے آخر میں، ہجرت سے متصل زمانے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے قریش کے لیڈروں کو اس میں جو خطاب ہے اس کی نوعیت وداعِ خطاب کی ہے، گویا ان سے متعلق پیغمبرؐ کی جو ذمہ داری تھی وہ پوری ہو گئی، اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے۔ اگر انھوں نے یہ ذمہ داری اب بھی محسوس نہ کی تو اس کے نتائج کے لیے تیار رہیں۔ اسی طرح مسلمانوں سے متعلق اس میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ اب وہ ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ان کو ایک ہیئت اجتماعی کی شکل میں اپنے فرائض ادا کرنے ہیں جس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے انھیں تیار رہنا چاہیے۔ نبی ﷺ کو اس میں بار بار یہ تسلی دی گئی ہے کہ تمہاری ذمہ داری لوگوں کو واضح طور پر حق پہنچا دینے کی تھی وہ تم نے پوری کر دی۔ لوگوں کے دلوں میں ایمان اتار دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ اب ان کا معاملہ اللہ کے

حوالے کرو۔ اسی ضمن میں بعض اعتراضات کے جواب بھی دیے گئے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر مخالفین کی طرف سے کیے گئے۔

۴۳- سورة الزخرف

سورکا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ گروپ کی دوسری سورتوں کی طرح اس کا بھی مرکزی مضمون توحید ہی ہے اور اس توحید ہی کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اس میں قیامت کا بھی ذکر ہوا ہے۔ خاص طور پر ملائکہ کی الوہیت اور ان کی شفاعت کے تصور کا ابطال اس میں تفصیل سے ہے اور قریش کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ وہ جس دین شرک کے پیرو ہیں یہ ان کو حضرت ابراہیمؑ سے وراثت میں ملا ہے۔

سابق سورہ میں قرآن کی عظمت ایک خاص پہلو سے نمایاں کی گئی تھی اس میں اس کے بعض دوسرے پہلو نمایاں کر کے قریش کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر محض دولت دنیا کے غرور میں تم نے اس عظیم نعمت کی قدر نہ کی تو یاد رکھو کہ پیغمبر کے اوپر ذمہ داری صرف اس حق کو پہنچا دینے کی ہے۔ اس کی تکذیب کے نتائج کی ذمہ داری خود تمہارے اوپر ہو گی۔

قرآن پر نفس وحی کے پہلو سے مخالفین کے جو اعتراضات تھے اور جن کو وہ اس کی تکذیب کا بہانہ بنا رہے تھے ان کے جواب پچھلی سورہ میں دیے گئے ہیں، اس سورہ میں انبیائے سابقین کی دعوت کے ساتھ اس کی ہم آہنگی واضح فرمائی گئی ہے کہ جس دین توحید کی دعوت یہ قرآن دے رہا ہے اسی کی دعوت تمام انبیاء نے دی ہے۔ جو لوگ اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ اپنے لیے اسی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی دوسری قومیں دوچار ہوئیں۔

۴۴- سورة الدخان

سور کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا قرآنی نام وہی ہے جو سابق سورہ کا ہے اور اس کی تمہید بھی اصل مدعا کے اعتبار سے تقریباً وہی ہے جو سابق سورہ کی ہے۔ البتہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ سابق سورہ میں توحید کے دلائل کا پہلو نمایاں ہے اور اس میں توحید کے دلائل کے بجائے انذار کا پہلو غالب ہے۔ پوری سورہ پر تدبر کی نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں قرآن اور رسالت کا اثبات اس پہلو سے ہے کہ قرآن منکرین کو جس انجام کی خبر دے رہا ہے وہ دنیا میں بھی شدنی ہے اور آخرت میں بھی۔ تاریخ اس کی شہادت دے رہی ہے اور یہی عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سابق سورہ کی آخری آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ 'فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ'(۲۳) (ان کو نظر انداز کرو اور کہو میرا اسلام لو، پس یہ عنقریب جان لیں گے) اس سورہ میں اسی تہدید کے دلائل و قرائن کی وضاحت ہے۔ گروپ کی آگے کی سورتوں میں یہ مضمون زیادہ واضح ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ گروپ کے آخر میں جو مدنی سورتیں ہیں ان میں قریش کے عزل اور اہل ایمان کی نصرت اور ان کے غلبہ کا بالکل قطعی الفاظ میں اعلان فرما دیا گیا ہے۔

---

۲۳ -الزخرف: ۸۹

۴۵- سورة الجاثیة

سورکا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ نام، تمہید اور بنیادی مطالب میں سابق سورہ کا مثنیٰ ہے۔ فرق ہے تو اجمال و تفصیل کا ہے۔ اس میں قریش کو صاف الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے کہ توحید اور قیامت کے دلائل سے آسمان و زمین کا ہر گوشہ معمور ہے اور ان کی تفصیل اللہ نے اپنی کتاب میں بھی بیان کر دی ہے۔ اگر یہ دلیلیں تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں تو دنیا کی کوئی چیز بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اب تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہی تمہارا فیصلہ فرمائے گا۔

مسلمانوں کو اس میں صاف الفاظ میں فتح و غلبہ کی بشارت دی گئی ہے کہ کچھ دنوں صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو۔ اگر استقلال کے ساتھ تم اپنے موقف پر ڈٹے رہے تو آخری کامیابی تمہارا ہی حصہ ہے۔ اس راہ میں جو مصیبتیں بھی تم جھیلوگے وہ رائگاں نہیں جائیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ ان کا بھرپور صلہ دے گا۔

یہ سورہ اس دور کی سورتوں میں سے ہے جب یہود کھلم کھلا قریش کی پیٹھ ٹھونکنے لگ گئے تھے۔ اس وجہ سے اس میں یہود کو بھی نہایت واضح الفاظ میں ملامت ہے کہ اللہ نے ان کو امامت کے جس منصب پر فائز فرمایا تھا اپنی شامت اعمال سے انھوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ اب ان کا معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش ہو گا اور وہی ان کا فیصلہ فرمائے گا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ تنبیہ ہے کہ اللہ نے جو روشن شاہراہ تم کو دکھائی ہے اس پر چلو اور ان دین بازوں سے ہوشیار رہو۔ یہ زور لگا رہے ہیں کہ اپنی ایجاد کردہ بدعات میں مبتلا کر کے تمہیں بھی اللہ کی راہ سے اس طرح محروم کر دیں جس طرح وہ خود محروم ہو بیٹھے ہیں۔

۴۶- سورة الأحقاف

سور کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اس گروپ کی آخری مکی سورہ ہے۔ اس کے بعد تین سورتیں مدنی ہیں جن میں انہی وعدوں اور وعیدوں کی تکمیل ہے جن کا پچھلی مکی سورتوں میں ذکر ہوا ہے۔ اس کا قرآنی نام وہی ہے جو پچھلی سورہ کا ہے اور اس کی تمہید بھی بعینہٖ وہی ہے جو پچھلی سورہ کی ہے۔ اس میں مخالفین قرآن کو نہایت آشکارا الفاظ میں آگاہ کیا گیا ہے کہ قرآن جس روز قیامت سے تم کو خبردار کر رہا ہے وہ ایک امر شدنی ہے۔ شرک و شفاعت کے بل پر اگر تم اس انذار کو نظر انداز اور پیغمبر ؐ کو ایک مفتری قرار دے رہے ہو تو یاد رکھو کہ تمہارے ان اوہام کے حق میں عقل و نقل کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ برعکس اس کے یہ قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کی شہادت اس کے نزول سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے ایک عظیم شاہد نے بھی دی ہے اور اس کی پیشین گوئیاں تورات میں بھی موجود ہیں جن کا یہ ٹھیک ٹھیک مصداق ہے اس وجہ سے تمہیں یہود اور نصاریٰ کی شہ سے بھی کسی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے، یہ لوگ تو خود اپنے رسولوں اور اپنے صحیفوں کو جھٹلا رہے ہیں۔

اس کے بعد نبی ﷺ کو نہایت واضح الفاظ میں تسلی دی ہے کہ ان مخالفین کی ذرا پروا نہ کرو۔ تمہاری ذمہ داری لوگوں تک اس کتاب کو پہنچا دینے کی ہے۔ اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کی طبیعت میں سلامت روی، حق شناسی اور عاقبت بینی ہے۔ ان لوگوں سے کسی خیر کی امید نہ رکھو جو بالکل مادر پدر آزاد ہیں۔ تم جو چیز پیش کر رہے ہو اس کی اثر آفرینی کا حال تو یہ ہے کہ راہ چلتے جنوں کے کان میں بھی اس کے کلمات پڑ گئے ہیں تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ اگر ان لوگوں پر اس کا اثر نہیں پڑ رہا ہے تو یہ اس کلام کی کوئی خرابی نہیں بلکہ ان کے دلوں ہی کی خرابی ہے۔ تم صبر کے ساتھ اپنا کام کرو اور ان کو ان کے انجام کے حوالہ کرو جس کے ظہور میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔

۴۷- سورة محمد

سور کا عمود اور گروپ کے ساتھ اس کے تعلق نوعیت

پچھلی سورہ ... سورۂ احقاف ... پر اس گروپ کی مکی سورتیں تمام ہوئیں۔ اب آگے تین سورتیں مدنی ہیں، سورۂ احقاف کے بعد یہ سورہ اس طرح بلا تمہید شروع ہو گئی ہے گویا احقاف کی آخری آیت میں کفار کے لیے جو وعید ہے اس میں اس کا عملی ظہور ہے۔ پچھلی سورتوں میں آپ نے دیکھا کہ یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ قریش اور ان کے حامی اہل کتاب جس باطل کی حمایت میں لڑ رہے ہیں نہ آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے اندر اس کی کوئی بنیاد ہے نہ انبیاء کی تاریخ اور آسمانی صحیفوں میں اس کی کوئی شہادت ہے۔ یہ گھورے پر اگا ہوا ایک درخت ہے جس نے محض اس وجہ سے جگہ گھیر رکھی ہے کہ اس کو اکھاڑنے والا ہاتھ موجود نہیں ہے۔ اب اس سورہ اور اس کے بعد کی دونوں سورتوں میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکنے والے ہاتھ اللہ نے پیدا کر دیے ہیں اور تقدیر کا یہ اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ کفار کی وہ تمام کوششیں رائگاں ہو کے رہیں گی جو انھوں نے خلق کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے صرف کی ہیں۔ ساتھ ہی اہل ایمان کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ ان کی مساعی اس دنیا میں بھی بارآور ہو گی اور آخرت میں بھی وہی سرخرو ہوں گے بشرطیکہ وہ اپنے فرائض پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اسی ضمن میں منافقوں کو دھمکی دی گئی ہے جو مدعی تو ایمان کے تھے لیکن ان کی ہمدردیاں کفار اور اہل کتاب کے ساتھ تھیں۔ ان کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ اگر انھوں نے اس نفاق کو چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ اللہ اور رسول کا ساتھ نہ دیا تو ان کا بھی وہی حشر ہونا ہے جو کفار و مشرکین کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

۴۸- سورة الفتح

سور کا عمود اور سابق سورہ سے ربط

سابق سورہ کی آیت ۳۵ میں اہل ایمان سے یہ وعدہ جو فرمایا ہے کہ اگر تم کمزور نہ پڑے تو تمہی سربلند ہو گے، تمہارے حریف ذلیل و پامال ہوں گے، اس سورہ میں اسی وعدہ کے ایفاء کی واقعاتی شہادت ہے۔ اس کا آغاز صلح حدیبیہ کے ذکر سے ہوا ہے جو فتح مکہ کی تمہید اور آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر اتمام نعمت کا فتح باب ثابت ہوئی۔ اس میں فتح و غلبہ کی ان پیشین گوئیوں اور بشارتوں کا بھی حوالہ ہے جو اس امت کے باب میں تورات اور انجیل میں وارد ہوئی ہیں تا کہ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور آگے ہو گا، ان میں سے کوئی بات بھی اتفاقی نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی سکیم میں پہلے سے طے ہے اور یہ سکیم پوری ہو کے رہے گی۔ کسی کی طاقت نہیں ہے کہ اس میں مزاحم ہو سکے۔

۴۹- سورة الحجرات

یہ سورہ سابق سورہ... الفتح... کا ضمیمہ و تتمہ ہے۔ سورۂ فتح کی آخری آیت میں، تورات کے حوالہ سے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ صفت جو وارد ہوئی ہے کہ ‘مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِینَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ’ (محمدؐ اللہ کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں کفار کے لیے سخت اور باہمدگر نہایت مہربان ہوں گے)۔ یہ پوری سورہ اسی ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ جہاں تک اس کی اہمیت کا تعلق ہے اس کی وضاحت سورۂ فتح کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ اس کی یہ اہمیت مقتضی ہوئی کہ اس کے وہ مضمرات یہاں وضاحت سے بیان کر دیے جائیں جن کا بیان کیا جانا اس وقت مسلمانوں کے معاشرے کی اصلاح کے لیے نہایت ضروری تھا۔ یہ بات اپنے محل میں بیان ہو چکی ہے کہ قرآن میں احکام و ہدایات کا نزول حالات کے تقاضوں کے تحت ہوا ہے تاکہ لوگوں پر ان کی صحیح قدر و قیمت واضح ہو سکے۔ چنانچہ یہ سورہ بھی ایسے حالات میں نازل ہوئی ہے جب نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کی طرف سے بعض باتیں ایسی سامنے آئیں جن سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ نہ تو رسول کے اصلی مرتبہ و مقام ہی سے اچھی طرح واقف ہیں اور نہ اسلامی معاشرہ کے اندر اپنی ذمہ داریوں ہی سے۔ چنانچہ اس ضمیمہ میں ضروری ہدایات دے دی گئیں جو اس وقت کے حالات کے اندر ضروری تھیں۔ ان احکامات و ہدایات کا تعلق تمام تر نبی ﷺ اور مسلمانوں کے باہمی حقوق ہی سے ہے۔ کفار کا معاملہ اس میں زیر بحث نہیں آیا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کو جو رویہ اختیار کرنا چاہیے اس کی وضاحت پچھلی سورتوں میں ہو چکی ہے۔

سورہ کے تیسرے گروپ میں جس نوعیت کا تعلق سورۂ نور کا سورۂ مومنون کے ساتھ ہے اسی نوعیت کا تعلق اس سورہ کا سورۂ فتح کے ساتھ ہے دونوں کا مزاج باہمدگر بالکل ملتا جلتا ہوا ہے۔

چھٹا گروپ

سورۂ قٓ سے سورتوں کا چھٹا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس میں کل سترہ سورتیں ہیں۔ جن میں سے ساتھ سورتیں ... قٓ، ذاریات، طور، قمر، نجم، رحمان اور واقعہ ... بالترتیب مکی ہیں۔ صرف سورۂ رحمان کو بعض مصاحف میں مدنی ظاہر کیا گیا ہے، لیکن اس کی تفسیر سے واضح ہو جائے گا کہ یہ رائے بالکل بے بنیاد ہے۔ پوری سورہ کا مدنی ہونا تو درکنار اس کی کوئی ایک آیت بھی مدنی نہیں ہے۔

سورۂ واقعہ کے بعد دس سورتیں ... حدید، مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق اور تحریم ... مدنی ہیں۔

اس گروپ کا جامع عمود بعث اور حشر و نشر ہے۔ اس کی تمام مکی سورتوں میں یہ مضمون ابھرا ہوا نظر آئے گا۔ اگرچہ قرآن کے بنیادی مطالب، دوسرے گروپوں کی طرح، اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں لیکن وہ اسی جامع عمود کے تحت آئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جو مدنی سورتیں اس میں شامل ہیں وہ بھی اسی اصل کے تحت ہیں۔ بعث اور حشر و نشر پر ایمان کا لازمی نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت ہے۔ مدنی سورتوں میں اسی تسلیم و اطاعت کے وہ مقتضیات بیان ہوئے ہیں جن کے بیان کے لیے زمانۂ نزول کے حالات داعی ہوئے ہیں۔

مکی سورتوں میں تمام رد و قدح کفار قریش کے عقائد و مزعومات پر ہے اور وہی ان میں اصلاً مخاطب بھی ہیں، نبی ﷺ اور مسلمانوں سے اگر خطاب ہے تو بطور التفات و تسلی ہے۔ مدنی سورتوں میں خطاب نبی ﷺ اور مسلمانوں سے ہے اور خاص طور پر ان لوگوں کی کمزوریاں زیر بحث آئی ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان کے مدعی تو بن بیٹھے تھے لیکن ایمان کے تقاضوں سے ابھی اچھی طرح آشنا نہیں ہوئے تھے۔ انہی کے ضمن میں اہل کتاب بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس دور میں اہل کتاب بھی قریش کی حمایت اور اسلام کی مخالفت کے لیے میدان میں اتر آئے تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر منافقین کا گروہ جو گھس آیا تھا وہ بیشتر انہی اہل کتاب کے زیر اثر تھا۔

۵۰- سورة ق

سورہ کا عمود

اس سورہ کا عمود بعث یعنی زندگی بعد الموت کا اثبات ہے۔ قرآن نے جب لوگوں کو آگاہ کیا کہ مرنے کے بعد لوگ از سر نو زندہ کیے جائیں گے اور اپنے رب کے آگے اپنے اعمال و اقوال کی جواب دہی کے لیے پیش ہوں گے تو یہ چیز قریش کے لیڈروں پر بہت شاق گزری کہ انہی کے اندر کا ایک شخص مدعیٔ نبوت بن کر ان کو اس بات سے ڈرا رہا ہے کہ مرنے کے بعد لوگ پھر زندہ کیے جائیں گے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد لوگ از سر نو زندہ ہوں! اس سورہ میں لوگوں کے اسی استبعاد کو موضوع بحث بنا کر ان کے شبہات کے جواب دیے گئے ہیں۔

۵۱- سورة الذاريات

یہ سورہ، سابق سورہ... قٓ... کی مثنیٰ ہے۔ سورۂ قٓ کی تفسیر میں آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قرآن کے اس دعوے کو بعید از امکان قرار دیتے تھے کہ لوگ مرنے کے بعد از سرِ نو زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اس سورہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر قرآن کے انذار عذاب کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور جزا و سزا کو بھی۔ سورہ کا عمود اس کی تمہید ہی میں ان الفاظ سے واضح فرما دیا گیا ہے: 'اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۵ وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ' (بے شک جو وعید تم کو سنائی جا رہی ہے وہ بالکل سچی ہے اور جزا و سزا لازماً واقع ہو کے رہے گی)۔

خطاب قریش کے مکذبین ہی سے ہے اور استدلال کی بنیاد تمام تر آفاق و انفس کے دلائل پر ہے۔ آخر میں نبی ﷺ کو اس سورہ میں بھی اسی طرح تسلی دی گئی ہے جس طرح سابق سورہ میں دی گئی ہے۔

۵۲- سورة الطور

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اس گروپ کی تیسری سورہ ہے۔ پچھلی دونوں سورتوں ... قٓ اور الذّٰریٰت ... میں زندگی بعد موت، حشر و نشر اور جزاء و سزا کے عقلی و انفسی اور آفاقی و تاریخی دلائل بیان ہوئے ہیں اور انداز بیان عمومیت یعنی جزا اور سزا دونوں کے پہلو لیے ہوئے ہے چنانچہ الذّٰریٰت میں عمود کی حیثیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، ’ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ . وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ‘ (بے شک جس چیز کی تم کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ سچی ہے اور جزاء و سزا واقع ہو کے رہے گی) کو حاصل ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ جزا و سزا کے دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے، خواہ اس کا تعلق رحمت سے ہو یا عذاب سے۔ اس سورہ میں عذاب کے پہلو کو زیادہ نمایاں فرمایا ہے چنانچہ چند تاریخی اور آفاقی شواہد کا حوالہ دینے کے بعد قریش کو نہایت واضح الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ ’ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ . مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ‘ (۸-۷) (بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کے رہے گا اور کوئی بھی اس کو دفع کرنے والا نہ بن سکے گا) یہی دھمکی اس سورہ میں مقسم علیہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہی اس سورہ کا عمود بھی ہے۔

۵۳- سورة النجم

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الطّور... کی توام سورہ ہے۔ مرکزی مضمون دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی جزا اور سزا کا اثبات۔ بس یہ فرق ہے کہ سابق سورہ میں عذاب کے پہلو کو نمایاں فرمایا ہے اور اس میں اس شفاعت باطل کی تردید ہے جس میں مشرکین عرب مبتلا تھے۔ اس کی وجہ، جیسا کہ پچھلی سورتوں میں ہم واضح کر چکے ہیں، یہ ہے کہ اس عقیدۂ باطل کے باقی رہتے ہوئے مشرکین کے لیے بڑے سے بڑے عذاب کی دھمکی بھی بالکل بے اثر تھی۔ قرآن نے اسی وجہ سے قیامت اور توحید دونوں کا ذکر ہمیشہ ساتھ ساتھ کیا ہے تاکہ مشرکین کے لیے کوئی راہ فرار باقی نہ رہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ پچھلی سورہ میں بھی ہے، اس سورہ میں اس اشارہ کی پوری وضاحت ہو گئی ہے۔ گویا ان دونوں سورتوں کا مشترک مضمون یہ ہے کہ منکرین و مکذبین کے لیے اللہ کا عذاب لازمی ہے، اپنے جن معبودوں کی شفاعت پر یہ تکیہ کیے بیٹھے ہیں اول تو ان کی کوئی حقیقت نہیں، محض فرضی نام ہیں جو انھوں نے رکھ چھوڑے ہیں اور اگر کچھ حقیقت ہے تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ لوگوں کے ساتھ کامل علم اور کامل عدل پر مبنی ہو گا۔ اس بات کا وہاں کوئی امکان نہیں ہے کہ کسی کی شفاعت اس کے علم میں کوئی اضافہ کر سکے، یا اس کے فیصلہ کو تبدیل کر سکے یا باطل کو حق بنا سکے۔

عمود اور مضمون کے علاوہ سابق سورہ کے خاتمہ اور اس سورہ کے آغاز پر بھی ایک نظر ڈالیے تو دونوں میں بڑی واضح مناسبت نظر آئے گی۔ سورۂ طور کی آخری آیت ‘وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ’ ہے اور اس سورہ کی پہلی آیت ‘وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى’ ہے۔ گویا

سابق سورہ کی آخری اور اس سورہ کی پہلی آیت نے دونوں میں ایک نہایت خوب صورت حلقۂ اتصال کی شکل پیدا کر دی ہے۔ اس قسم کا اتصال اکثر مقامات میں موجود ہے۔ بعض جگہ لفظی، بعض جگہ معنوی، اور بعض مقامات میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کا۔ اس قسم کی بعض چیزوں کی طرف ہم نے پچھلی سورتوں میں اشارے کیے ہیں۔

۵۴- سورة القمر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا آغاز اسی مضمون سے ہوا ہے جس پر سابق سورہ ختم ہوئی ہے۔ سابق سورہ ’أَزِفَتْ الْاٰزِفَةُ‘ (۵۷) (قریب آپہنچی قریب آنے والی) کی تنبیہ پر تمام ہوئی۔ اس سورہ کا آغاز ’اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ‘ (۱) (عذاب کی گھڑی قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا) سے ہوا ہے۔ گویا ’أَزِفَتْ الْاٰزِفَةُ ‘ کے اجمال کی اس میں تفصیل فرما دی گئی ہے۔ اس مناسبت کے علاوہ ایک اور ظاہری مناسبت بھی دونوں میں واضح ہے۔ پہلی سورہ میں ستاروں کے ہبوط و سقوط سے دعوے پر شہادت پیش کی گئی ہے اور اس میں چاند کے پھٹنے سے۔

اس میں آیت ’وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فهل مِن مُّدَّكِرٍ‘ بار بار دہرائی گئی ہے۔ جس سورہ میں کسی آیت کی ترجیع ہو اس کو سورہ میں خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ گویا متکلم تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اپنے دعوے پر دلائل بیان کرتے ہوئے ضدی مخاطب کو بار بار توجہ دلاتا ہے کہ اپنی ضد ہی پر کیوں اڑے ہوئے ہو، اس واضح حقیقت پر کیوں نہیں غور کرتے جو تمہارے سامنے دلائل کی روشنی میں پیش کی جا رہی ہے۔

مخاطب اس میں وہ مکذبین ہیں جو قرآن کے انذار کی تصدیق کے لیے کسی ایسی نشانئ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے جو انھیں قائل کر دے کہ فی الواقع قرآن کی یہ دھمکی سچی ہو کے رہے گی اگر وہ اس کو جھٹلاتے رہے۔ ان کو پچھلی قوموں کی تاریخ، جس کی طرف پچھلی سورہ میں بھی اشارہ ہے، نسبتاً تفصیل کے ساتھ سنا کر متنبہ فرمایا ہے کہ آخر ان قوموں کے انجام سے کیوں عبرت نہیں حاصل کرتے؟ کیوں مچلے ہوئے ہو کہ جب یہی کچھ تمہارے سروں پر بھی گزر جائے گا تب مانو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے تمہیں عذاب کی نشانی دکھانے کی جگہ ایک ایسی کتاب تم پر اتاری ہے جو تمہاری تعلیم و تذکیر اور تمہارے

شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے ہر پہلو سے جامع و کامل اور تمام ضروری اوصاف و محاسن سے آراستہ ہے۔ لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت کی جگہ تم اس کے عذاب کے طالب بنے ہوئے ہو۔

۵۵- سورة الرحمن

سورہ کا مزاج، عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کو بعض لوگوں نے مدنی قرار دیا ہے لیکن پوری سورہ کا مدنی ہونا تو الگ رہا اس کی ایک آیت بھی مدنی نہیں معلوم ہوتی۔ پوری سورہ بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہے اور پڑھنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ یہ بیک دفعہ نازل ہوئی ہے۔

اپنے مزاج اور مطالب کے اعتبار سے یہ سورتوں کے اس زمرے سے تعلق رکھتی ہے جو مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب پیغمبر ﷺ کی تکذیب کے جوش میں مخالفین اس مطالبہ پر اڑ گئے ہیں کہ جب تک ان کو کوئی نشانیٔ عذاب نہ دکھا دی جائے گی اس وقت تک نہ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ اس نئی دعوت کی تکذیب کے نتیجہ میں ان پر کوئی عذاب آجائے گا اور نہ یہ تسلیم کرنے والے ہیں کہ فی الواقع آگے کوئی دن آنے والا ہے جس میں ان کو دائمی عذاب اور ابدی رسوائی سے دوچار ہونا پڑے۔

ضد اور ہٹ دھرمی کی اس ذہنیت کے سبب سے سابق سورہ میں بھی آپ نے دیکھا ہے کہ 'کَیْفَ کَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ . وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُدَّکِرٍ ' کی تذکیر بار بار دہرائی گئی ہے اور اس سورہ میں 'فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ' کی تنبیہ بار بار آئی ہے۔ کسی ایک ہی بات کی طرف بار بار توجہ دلانے کا یہ اسلوب ظاہر ہے کہ اسی صورت میں اختیار کیا جاتا ہے جب مخاطب یا تو اتنا ضدی ہو کہ اپنی خواہش کے خلاف کوئی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہ ہو یا اتنا غبی ہو کہ جب تک اس کو کان پکڑ پکڑ کر ایک ایک چیز کی طرف توجہ نہ دلائی جائے اس سے کسی معقول بات کے سمجھنے کی توقع ہی نہ کی جا سکتی ہو۔

کلام میں مخاطب کی ذہنیت اور اس کے مزاج کی رعایت ایک ناگزیر شے ہے۔ اگر متکلم یہ چیز ملحوظ نہ رکھ سکے تو اس کا کلام نہ مطابق حال ہو گا، نہ بلیغ۔ جو لوگ کلام کے ان تقاضوں سے نابلد ہوتے ہیں وہ اس نوعیت کے کلام کی خوبیوں اور نزاکتوں کے پرکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ایک آیت کے بار بار اعادے کو تکرار پر محمول کرتے اور اس تکرار کو ایک عیب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ پر بھی بعض کم سوادوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک ہی آیت کا بار بار اعادہ ہے۔ حالانکہ اگر وہ یہ سمجھ جائیں کہ اس میں مخاطب

کس ذہنیت کے لوگ ہیں تو وہ پکار اٹھیں کہ اس سورہ کی ایک ایک ترجیع اپنے محل میں اس طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح انگشتری میں نگینہ ہوتا ہے۔

سورۂ قمر میں قریش کے ہٹ دھرموں کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ سے آخر کیوں سبق نہیں لیتے؟ کیوں اڑے ہوئے ہو کہ جب عذاب کا تازیانہ دیکھ لوگے تب ہی مانو گے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے تمہاری تعلیم و تذکیر کے لیے ایک کتاب اتاری جو ہر پہلو سے اس مقصد کے لیے نہایت موزوں ہے! اس سورہ میں اسی مضمون کو ایک نئے اسلوب اور نہایت اچھوتے انداز سے لیا ہے اور انھیں یہ سمجھایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے کہ اس نے تمہاری تعلیم کے لیے قرآن اتارا۔ تمہاری فطرت کا تقاضا یہی تھا کہ اس مقصد کے لیے قرآن ہی اتارا جائے۔ جب اللہ نے تم کو نطق و بیان کی صلاحیت سے نوازا ہے تو تم بات سمجھ بھی سکتے ہو اور سمجھا بھی سکتے ہو۔ اس اعلیٰ صلاحیت کا حق یہی ہے کہ اسی کو تمہاری تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے نہ کہ عذاب کے ڈنڈے کو، لیکن تمہاری یہ بدبختی ہے کہ تم اس نعمت و رحمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی نئی نشانی دیکھنے کے لیے مچلے ہوئے ہو۔ اگر کوئی نشانی ہی مطلوب ہے تو آسمان و زمین اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر کیوں نہیں غور کرتے جو ہر روز تمہارے مشاہدے میں آتی ہیں اور تمہیں انہی حقائق کے درس دیتی ہیں جن کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔ ان نشانیوں کے ہوتے کسی نئی نشانی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے بعد زمین و آسمان کی ایک ایک نشانی پر انگلی رکھ کر اور گویا ان ضدیوں کے کان پکڑ پکڑ کر توجہ دلائی ہے کہ یہ نشانیاں نہیں ہیں تو کیا ہیں! آخر اپنے رب کی کن کن نشانیوں کو جھٹلاتے رہو گے!

۵۶- سورة الواقعة

سورہ کا عمود اور سابق سورتوں سے تعلق

یہ اس گروپ کی ساتویں سورہ ہے جس پر گروپ کی مکی سورتیں تمام ہوئیں۔ اس میں اس ساری بحث کا خلاصہ سامنے رکھ دیا ہے، جو جزاء و سزا سے متعلق، سورۂ قٓ سے لے کر سورۂ رحمٰن تک ہوئی ہے۔ پچھلی سورتوں میں اس موضوع کے تمام اطراف، آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے دلائل کی روشنی میں، زیر بحث آئے ہیں، اس سورہ میں دلائل کی وضاحت کے بجائے اصل نتیجہ سے قریش کے مستکبرین کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت ایک امر شدنی ہے جس میں ذرا شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ تمھیں لازماً ایک ایسے جہان سے سابقہ پیش آنے والا ہے جس میں عزت و ذلت کے اقدار اور پیمانے ان اقدار اور پیمانوں سے بالکل مختلف ہوں گے جو اس جہان میں معروف ہیں۔ وہاں عزت و سرفرازی ان کے لیے ہو گی جنھوں نے اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی کھائی ہو گی، وہ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجے پائیں گے۔ جنت کی تمام کامرانیاں انہی کا حصہ ہوں گی۔ رہے وہ جو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی کے عشق میں مگن ہیں وہ اصحاب الشمال میں ہوں گے اور ان کو دوزخ کے ابدی عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔

۵۷- سورة الحدید

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الواقعہ... کی مثنیٰ ہے۔ اگرچہ دونوں میں مکی اور مدنی ہونے کے اعتبار سے فی الجملہ زمانی اور مکانی بُعد ہے لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں غایت درجہ ربط و اتصال ہے۔ سابق سورہ میں یہ اصولی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ جزاء و سزا کا دن لازماً آ کے رہے گا اور اس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ سابقون اوّلون کا ہو گا، دوسرا اصحاب یمین کا، تیسرا اصحاب شمال کا۔

اس سورہ میں خاص طور پر مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کو سابقین اولین کی صف میں اپنی جگہ پیدا کرنے پر ابھارا ہے اور اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے پہلے جو لوگ جہاد و انفاق کریں گے وہ سابقین کے زمرے میں شامل ہوں گے اور ان کا مرتبہ ان لوگوں سے اونچا ہو گا جو فتح مکہ کے بعد جہاد و انفاق کی سعادت حاصل کریں گے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ دونوں ہی سے اچھا ہے تاہم تقرب الٰہی کے اعتبار سے دونوں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اسی ضمن میں ان مسلمانوں کو جہاد و انفاق پر ابھارا ہے جو اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے لیکن ایمان کے مقتضیات سے اچھی طرح آشنا نہ ہونے کے سبب سے، اس کے مطالبات پورے کرنے کے معاملے میں کمزور تھے۔ ان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر دنیا کی محبت میں پھنس کر تم نے آخرت کی ابدی بادشاہی حاصل کرنے کا حوصلہ کھو دیا تو یاد رکھو کہ بالآخر یہود کی طرح تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور تمہارا انجام وہی ہو گا جو ان کا ہوا۔

اس معنوی ربط کے ساتھ ساتھ دونوں صورتوں میں ظاہری ربط بھی نہایت واضح ہے۔ سابق سورہ کا خاتمہ 'فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ' کے الفاظ پر ہوا ہے اور اس کا آغاز 'سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۔۔۔ الاٰیۃ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ گویا اُس کی آخری اور اِس کی پہلی آیت نے ایک حلقۂ اتصال کی شکل اختیار کر کے دونوں کو نہایت خوبصورتی سے باہم دگر مربوط کر دیا ہے اس قسم کے ربط کی نہایت خوبصورت مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں اور یہ قرآن کے ایک منظم و مربوط کتاب ہونے کا ایک واضح قرینہ ہے۔

۵۸- سورة المجادلة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ کا خاتمہ اہل کتاب کے اس اعتراض کے جواب پر ہوا ہے جو انھوں نے جہاد کے خلاف اٹھایا۔ اس اعتراض سے تعرض کی ضرورت ظاہر ہے کہ اس وجہ سے پیش آئی کہ مخالفین کے یہ اعتراضات منافقین اٹھا لیتے اور پھر ان کو چپکے چپکے مسلمانوں کے اندر پھیلانا شروع کر دیتے کہ ان کے عقیدہ کو متزلزل اور ان کے جوش جہاد کو سرد کریں۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول میں معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی یہ سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ یہ صورت حال داعی ہوئی کہ اس خفیہ پراپیگنڈہ کا سدباب کیا جائے چنانچہ اس سورہ میں منافقین کی اس طرح کی حرکتوں پر نہایت شدت کے ساتھ گرفت بھی کی گئی اور اس کے سدباب کے لیے بعض ضروری تدبیریں اختیار کرنے کی بھی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی۔ ساتھ ہی ایک نہایت موئثر عملی مثال سے یہ سبق بھی لوگوں کو دیا گیا کہ اگر کسی کو اسلام کے سبب سے زندگی میں کوئی مشکل پیش آئے تو اس کو نہایت خلوص کے ساتھ اللہ و رسول کے سامنے عرض کرے۔ امید ہے کہ اس کی مشکل حل ہونے کی کوئی راہ اللہ تعالیٰ کھول دے گا۔ رہے وہ لوگ جو کسی فرضی یا واقعی مشکل کو بہانہ بنا کر اسلام کے خلاف پراپیگنڈے کی مہم شروع کر دیتے ہیں وہ در حقیقت اللہ اور رسول کے خلاف محاذ جنگ کھولنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ یاد رکھیں کہ وہ ذلیل ہو کے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ غلبہ اور سرفرازی صرف اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے ہے۔

۵۹- سورة الحشر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... المجادلۃ ... میں فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں وہ بالآخر ذلیل و خوار ہو کے رہیں گے، غلبہ اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے ہے، اس سورہ میں اسی دعوے کو بعض واقعات سے مبرہن فرمایا ہے جو اس دوران میں پیش آئے اور منافقون کو آگاہ کیا ہے کہ اگر وہ آنکھیں رکھتے ہیں تو ان واقعات سے سبق لیں کہ جن دشمنوں کو وہ ناقابل تسخیر خیال کیے بیٹھے تھے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو اجاڑ کر جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور ان کے حامیوں میں سے کوئی ان کا ساتھ دینے والا نہ بنا۔

پوری سورہ میں خطاب منافقین ہی سے ہے۔ آخر میں یہ بات بھی ان پر واضح فرما دی گئی ہے کہ ان کے شبہات و شکوک دور کرنے اور ان کے دلوں کے اندر گداز پیدا کرنے کے لیے اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ نازل کر دیا جو ضروری ہے۔ اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتارا جاتا تو وہ بھی اللہ کی خشیت سے پاش پاش ہو جاتا۔ اگر یہ تمہارے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اور تم سزاوار ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے جو تمہارے جیسے سنگ دلوں کے ساتھ وہ کیا کرتا ہے۔

۶۰- سورة الممتحنة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

پچھلی سورتوں میں منافقین کا اہل کتاب، بالخصوص یہود، سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور یہ منافقین تھے بھی، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، بیشتر اہل کتاب ہی میں سے۔ اس سورہ میں مشرکین مکہ سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور خطاب خاص طور پر ان لوگوں سے ہے جو اسلام میں داخل بھی تھے اور دین کی خاطر انھوں نے ہجرت بھی کی تھی لیکن اہل مکہ سے رشتہ و برادری کے جو تعلقات تھے اس کی زنجیریں ابھی انھوں نے نہیں توڑی تھیں اس وجہ سے امتحان کے مواقع پر ان سے ایسی کمزوریاں صادر ہو جاتیں جو ایمان و اخلاص کے منافی ہوتیں۔ گویا نفاق کی بیخ کنی یا تطہیر مومنین جو تمام مسبحات کا مشتر مضمون ہے وہی مضمون اس سورہ کا بھی ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ اس میں روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف ہے جنھوں نے ہجرت تو کی لیکن ہجرت کی اصل ابراہیمی حقیقت ابھی ان پر اچھی طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی یاددہانی فرمائی گئی ہے کہ اگر ہجرت کی برکات سے متمتع ہونا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے سابق ماحول سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر کے کلیۃً اللہ اور رسول سے وابستہ ہو جاؤ۔

٦١- سورة الصف

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو پیغمبر ﷺ سے سمع و طاعت کا عہد کر چکنے کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد سے جی چرا رہے تھے، ان کو متنبہ فرمایا ہے کہ اگر عہد اطاعت میں داخل ہو چکنے کے بعد تمہارے روش یہی رہی تو یاد رکھو کہ تمہارا بھی وہی حال ہو گا جو یہود کا ہوا۔ انھوں نے اطاعت کا عہد کر چکنے کے بعد قدم قدم پر اپنے پیغمبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اس کج روی کی سزا ان کو یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل اس طرح کج کر دیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آخری نبی کی بشارت لے کر آئے اور نہایت کھلے ہوئے معجزات دکھائے تو انھوں نے سارے معجزات کو جادو قرار دیا اور ان کو جھٹلا دیا اور اب وہ اسلام کی مخالفت کے درپے ہیں حالانکہ اسلام، ان کے اور مشرکین دونوں کے علی الرغم، اس سرزمین کے تمام ادیان پر غالب آ کے رہے گا۔

اس کے بعد اس صحیح روش کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے اور جو اس عہد کا لازمی تقاضا ہے جو اللہ کے رسول سے انھوں نے کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کو اس فتح عظیم کی بشارت دی ہے جو مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی ہے اگر وہ اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہے۔

آخر میں ان کے سامنے ان لوگوں کا نمونہ رکھا ہے جنھوں نے حق کی طرف سبقت اور اس کی تائید و رفاقت کی نہایت اعلیٰ مثال قائم کی اور دعوت دی ہے کہ پیروی کے قابل نمونہ ان کا ہے نہ کہ یہود کا جو ہمیشہ کے لیے اللہ کی ہدایت سے محروم ہوئے۔

۶۲- سورة الجمعة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ صرف اسلوب بیان اور نہج استدلال دونوں کے الگ الگ ہیں۔ سابق سورہ میں آنحضرت ﷺ سے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کا حوالہ ہے۔ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف اشارہ ہے۔ بنی اسمٰعیل کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جس عظیم نعمت سے نوازا ہے اس کی قدر کریں، یہودیوں کی حاسدانہ سازشوں کا شکار ہو کر اپنے کو اس فضل عظیم سے محروم نہ کر بیٹھیں۔ اسی ذیل میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو ملامت فرمائی ہے کہ اس نے دنیوی کاروبار کے طمع میں جمعہ اور رسول کا احترام ملحوظ نہیں رکھا۔ اگر تجارت کی طمع لوگوں کو جمعہ کے احترام اور رسول کی موعظت سے زیادہ عزیز ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اس بیع و شراء کی حقیقت نہیں سمجھی جو وہ اپنے رب سے کر چکے ہیں (جس کا ذکر سابق سورہ میں ہو چکا ہے)، ساتھ ہی اس ناقدری کے انجام سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ یہ روش اختیار کر کے یہود اللہ کی شریعت سے محروم ہو گئے۔ مسلمان فلاح چاہتے ہیں تو ان کی تقلید سے بچیں۔

۶۳- سورة المنافقون

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ... الجمعۃ ... کے تکملہ اور تتمہ ؓ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۂ جمعہ کے آخر میں ان لوگوں کی کمزوری سے پردہ اٹھایا ہے جو مدعی تو تھے ایمان کے لیکن اپنے دنیوی منافع اور کاروباری مصالح کے پھندوں میں اس طرح گرفتار تھے کہ کوئی تجارتی قافلہ آجاتا تو اس کی خبر پاتے ہی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خطبہ دیتے چھوڑ کر اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ اس سورہ میں منافقین کے کردار سے بحث کی ہے کہ یہ ایمان کا کوئی مطالبہ پورا کرنے کا حوصلہ تو رکھتے نہیں لیکن یہ خواہش رکھتے ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں ان کا بھرم قائم رہے۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ قسمیں کھا کھا کر پیغمبر ؐ کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں لیکن اللہ بھی قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ان کے اعمال گواہ ہیں کہ یہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے نہ رسول پر۔ یہ اپنی قسموں کو بطور ڈھال استعمال کر رہے ہیں اور ان کی آڑ میں اپنے نفاق کو چھپاتے ہیں۔ انھوں نے ایمان کی راہ میں جو قدم اٹھایا وہ مال و جان کی محبت میں پھنس کر واپس لے لیا اس وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اب وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

٦٤- سورة التغابن

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... المنافقون... اس تنبیہ پر ختم ہوئی ہے کہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر اللہ کی یاد اور اس کے حقوق سے غافل نہ ہونا بلکہ جو رزق و فضل اس نے بخشا ہے اس میں آخرت کے لیے کمائی کر لو۔ ورنہ جب موت کی گھڑی آجائے گی تو غفلت کرنے والے حسرت سے کہیں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ ان کو تھوڑی سی مہلت دیتا تو وہ اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کر کے کچھ نیکی کی کمائی کر لیتے لیکن ان کی یہ حسرت، حسرت ہی رہے گی۔ گزرا ہوا وقت پھر واپس نہیں آتا۔ اس سورہ میں اسی مضمون کو عمود کی حیثیت سے لیا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ اس دنیا کی زندگی ہی کل زندگی نہیں ہے بلکہ اصل زندگی آخرت کی ہے جو شدنی ہے اور یہ فیصلہ وہیں ہونا ہے کہ اس دنیا میں آکر کون ہارا اور کون جیتا تو جو آخرت کی فوز عظیم حاصل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ و رسول کی رضا جوئی کی راہ میں ہر قربانی کے لیے تیار رہے اور اس معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت اور کسی ناصح کی نصیحت کی پروانہ کرے۔ بسا اوقات آدمی کے بیوی بچے اس راہ میں مزاحم ہوتے ہیں اور ان کی محبت بہتوں کو پست حوصلہ کر دیتی ہے۔ جو شخص اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس راہ میں رکاوٹ بننے والے بیوی بچوں کو بھی اپنے لیے فتنہ سمجھے اور ان سے بچ کے رہے۔ اگرچہ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ رکھے۔

٦٧- سورة الطلاق

سورہ کا عمود اور سابق ولاحق سے تعلق

سابق سورہ... التغابن... کی آیات ١٦-١٤ میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے اس کے لیے بڑی آزمائش ہیں۔ اگر وہ چوکنا نہ رہے تو ان کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرانے لگتا ہے یہاں تک کہ یہ چیز اس کو بالآخر نفاق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس طرح ان کے ساتھ اس کی دوستی خود اپنے ساتھ دشمنی بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ ان سے چوکنے رہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لے بلکہ تاحد امکان اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ رکھے کہ ان کی اصلاح بھی ہو اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھ سکے۔

سورۂ تغابن کے بعد دو سورتوں ... الطلاق اور التحریم ... میں اسی نازک مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی اور نفرت و محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر صحیح رویہ کے حدود معین کر دیے تاکہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش نہ باقی رہے۔ سورۂ طلاق میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر بیوی سے کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملے میں کس طرح حدود الٰہی کی پابندی کا اہتمام کرے اور سورۂ تحریم میں یہ واضح فرمایا ہے کہ محبت میں کس طرح اپنے آپ کو اور ان کو حدود الٰہی کا پابند رکھنے کی کوشش کرے۔ میاں بیوی کے رشتہ ہی پر تمام معاشرت کی بنیاد ہے اور ہر شخص کو اس سے سابقہ بھی پیش آتا ہے لیکن اس رشتہ کے نازک حدود و قیود کا اول تو سب کو علم نہیں ہوتا اور جن کو ہوتا بھی ہے وہ نفرت یا محبت کی ہلچل میں ان کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ کوئی سبب اگر اختلاف یا افتراق کا پیدا ہو گیا ہو تو وہ ایسی نفرت و عداوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ شریعت کے تمام حدود و احکام پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر تعلقات محبت پر قائم ہیں، جیسا کہ ہونا چاہیے، تو خدا کے حدود و آداب کا احترام اس محبت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی حالتیں حدود الٰہی سے تجاوز اور شریعت سے انحراف کی ہیں جن کا نتیجہ آخرت کی نامرادی ہے اس وجہ سے قرآن نے دو الگ الگ سورتوں میں تفصیل سے بتایا کہ نفرت اور محبت دونوں قسم

کے حالات کے اندر آدمی کا معاملہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مجرد اندھے بہرے جذبات پر نہیں بلکہ خدا کے حدود پر مبنی ہونا چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں در حقیقت سورۂ تغابن ہی کے اجمال کی شرح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں ہی میں خطاب نبی ﷺ سے ہے اور یہ خطاب بغیر کسی تمہید کے شروع ہو گیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سابق سورہ ہی کا تکملہ و تتمہ ہیں۔ نبی ﷺ سے براہ راست خطاب شخصاً نہیں بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے۔ اس طرح کے خطاب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ اس براہ راست خطاب سے ان احکام کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے جو ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں جن خرابیوں کی اصلاح کی گئی ہے وہ جاہلیت کی سوسائٹی میں عام رہی ہیں بلک شاید یہ کہنا بھی بے جانہ ہو کہ اس تہذیب و تمدن کے دور میں بھی یہ عام ہیں۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ ان کی اصلاح کے احکام براہ راست نبی ﷺ کو خطاب کر کے دیے جائیں تاکہ لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ جب پیغمبر ؐ کو بھی ان باتوں کی پابندی کی ہدایت ہے تو تابہ دیگراں چہ رسد!

٦٨- سورة التحریم

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ کی تفسیر میں ہم یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں ... الطلاق اور التحریم ... علی الترتیب یہ تعلیم دے رہی ہیں کہ نفرت اور محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی واجب ہے۔ چنانچہ سابق سورہ میں بتایا کہ نفرت کے اندر کس طرح حدود الٰہی کا احترام قائم رکھا جائے۔ اب اس سورہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ محبت کے اندر کس طرح اللہ کے حدود کی حفاظت کی جائے۔

نفرت کی طرح محبت کا جذبہ بھی انسان پر غالب ہو جائے تو اس کو بالکل یک رخا بنا کے رکھ دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ، حدود الٰہی کے معاملے میں، نہایت بے حس اور مداہنت کرنے والا بن جاتا ہے جن سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ بیوی بچوں کو وہ علانیہ دیکھتا ہے کہ ان کا رویہ شریعت سے ہٹا ہوا ہے لیکن یا تو اس کو ان کے انحراف کا احساس ہی نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو وہ یہ فرض کر کے نظر انداز کر جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ خود بخود ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ حد یہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے متعلقین کی کھلی ہوئی زیادتیوں پر بھی، ان کو ٹوکنے یا روکنے کے بجائے یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی عذر تلاش کریں۔ یہ کمزوری صرف عام لوگوں ہی کے اندر نہیں بلکہ ان لوگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے جو دوسروں کی اصلاح کے لیے خدائی فوج دار بنے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ کسی کے ساتھ محبت کا صحیح تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کو اپنی مداہنت سے خدا کے غضب کے حوالہ کیا جائے بلکہ اس کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کو خدا کی پکڑ سے بچایا جائے اگرچہ اس مقصد کی خاطر کچھ ناگواریاں بھی گوارا کرنی پڑیں۔ وہ شخص جو اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کی خلاف شریعت باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے وہ درحقیقت ان سے محبت نہیں کرتا ہے بلکہ ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ خدا کے غضب کے حوالے کر رہا ہے لیکن اس کو اپنے اس فعل کے نتائج کا شعور نہیں ہے۔

ساتواں گروپ

سورۂ ملک سے سورتوں کا ساتواں یعنی آخری گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں بھی سورتوں کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح پچھلے گروپوں میں آپ نے دیکھی۔ پہلے مکی سورتیں ہیں آخر میں چند سورتیں مدنی ہیں اور یہ مدنی سورتیں مکی سورتوں کے ساتھ اسی طرح مربوط ہیں جس طرح فرع اپنی اصل سے مربوط ہوتی ہے۔

اس گروپ کی چند سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اس وجہ سے یہاں یہ بتانا مشکل ہے کہ کہاں سے کہاں تک اس کی سورتیں مکی ہیں اور کہاں سے کہاں تک مدنی۔ جب تمام مختلف فیہ سورتوں پر بحث ہو کر بات منقح ہو جائے گی تب ہی یہ قطعی فیصلہ ہو سکے گا کہ کتنی مکی ہیں اور کتنی مدنی تاہم میری اجمالی رائے یہ ہے کہ سورۂ ملک سے سورۂ کافرون تک ۴۳ سورتیں مکی ہیں اور سورۂ نصر سے سورۂ ناس تک پانچ سورتیں مدنی۔

اس گروپ میں بھی دوسرے گروپوں کی طرح قرآنی دعوت کی تمام اساسات ... توحید، رسالت اور معاد... زیر بحث آئی ہیں اور دعوت کے تمام مراحل کی جھلک بھی اس میں موجود ہے۔ لیکن اس پورے گروپ کا اصل مضمون انذار ہے۔ اس کی بیشتر سورتیں مکی زندگی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں انذار کا انداز وہی ہے جس انداز میں حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر انذار فرمایا تھا۔ اس انذار کے تقاضے سے اس میں قیامت اور احوال قیامت کی بھی پوری تصویر ہے اور اس عذاب کو بھی گویا قریش کی نگاہوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا ہے جو رسول کی تکذیب کر دینے والوں پر لازماً آیا کرتا ہے۔ استدلال میں بیشتر آفاق کے مشاہدات، تاریخ کے مسلمات اور انفس کی بینات سے کام لیا گیا ہے اور کلام کے زور کا بالکل وہی حال ہے جس کی تصویر مولانا حالیؒ نے اپنے اس شعر میں کھینچی ہے۔ ع

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ان سورتوں نے سارے عرب میں ایسی ہلچل برپا کر دی کہ ایک شخص بھی قرآن کی دعوت کے معاملے میں غیر جانبدار نہیں رہ گیا بلکہ وہ یا تو اس کا جانی دشمن بن کر اٹھ کھڑا ہوا یا سچا فدائی اور ان دونوں

کی کشمکش کا نتیجہ بالآخر اس غلبۂ حق کی شکل میں نمودار ہوا جس کا ذکر ہر گروپ کی آخری سورتوں میں ہوا ہے اور اس کے آخر میں بھی آئے گا۔

٦٩- سورة الملك

سورہ کا عمود

اس سورہ کا عمود انذار ہے اور اس انذار میں دونوں ہی عذاب شامل ہیں۔ وہ عذاب بھی جس سے رسولوں کے مکذبین کو لازماً اس دنیا میں سابقہ پیش آیا ہے اور وہ عذاب بھی جس سے آخرت میں دوچار ہونا پڑے گا۔ استدلال اس میں آفاق کی نشانیوں سے ہے۔ یعنی اس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کے مشاہدہ سے اس کے خالق کی جو صفات سامنے آتی ہیں وہ اس بات کو مستلزم ہیں کہ یہ دنیا ایک دن اپنی انتہا ہو پہنچے گی۔ جن لوگوں نے اس کے اندر بالکل اندھے بہرے بن کر زندگی گزاری وہ جہنم میں جھونک دیے جائیں گے اور جنھوں نے اپنی عقل و فہم سے کام لیا اور غیب میں ہوتے خدا سے ڈرتے رہے وہ اجر عظیم کے مستحق ٹھہریں گے۔

۷۰- سورة القلم

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

یہ سورہ سابق سورہ... الملک... کا مثنٰی ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود اور موضوع میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ صرف طرز بیان، نہج استدلال اور لب و لہجہ میں فرق ہے۔ جس طرح سابق سورہ میں قریش کو عذاب اور قیامت سے ڈرایا گیا ہے اسی طرح اس سورہ میں بھی ان کو عذاب و قیامت سے ڈرایا گیا ہے لیکن اس سورہ کا لب و لہجہ سابق سورہ کے مقابل میں تیز ہے۔

سابق سورہ کے آخر میں قریش کو مخاطب کر کے آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ ’إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ‘ کہ اس خبط میں نہ رہو کہ میں کوئی شاعر اور دیوانہ ہوں جس کو گردش روزگار بہت جلد فنا کر دے گی۔ تمہاری یہ توقع بالفرض پوری بھی ہو جائے جب بھی تمہارے لیے اس میں اطمینان کو کائی پہلو نہیں ہے۔ یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ تمھیں خدا کے عذاب سے بچانے والا کون بنے گا؟ اس سورہ میں اسی مضمون کی تائید میں نبی ﷺ کی دعوت، آپ کی پیش کردہ کتاب اور آپ کے اعلیٰ کردار کا موازنہ قریش کی فاسقانہ قیادت کے کردار سے کر کے یہ دکھایا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب موافق و مخالف دونوں پر واضح ہو جائے گا کہ کن کی باگ فتنہ میں پڑے ہوئے لیڈروں کے ہاتھ میں ہے جو ان کو تباہی کی راہ پر لے جا رہے ہیں اور کون لوگ ہدایت کی راہ پر ہیں اور وہ فلاح پانے والے بنیں گے۔

اس کے بعد باغ والوں کی تمثیل کے ذریعہ سے قریش کو متنبہ فرمایا ہے کہ آج جو امن و اطمینان تمھیں حاصل ہے اس سے اس دھوکے میں نہ رہو کہ اب تمہارے اس عیش میں کوئی رخنہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ جس خدا نے تمھیں یہ سب کچھ بخشا ہے اس کے اختیار میں اس کو چھین لینا بھی ہے۔ اگر تم اس سے نچنت ہو بیٹھے ہو تو یاد رکھو کہ وہ چشم زدن میں تم کو اس سے محروم بھی کر سکتا ہے۔ پھر تم کف افسوس ملتے ہی رہ جاؤ گے۔

آخر میں مکذبین قیامت کی اس فاسد ذہنیت پر ضرب لگائی ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو عیش و آرام انھیں یہاں حاصل ہے اگر آخرت ہوئی تو وہاں بھی انھیں یہی کچھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حاصل ہو گا۔ ان سے سوال کیا ہے کہ آخر انھوں نے خدا کو اتنا نا منصف کس طرح سمجھ رکھا ہے کہ وہ نیکوں اور بدووں میں کوئی امتیاز نہیں کرے گا؟ ساتھ ہی ان کو چیلنج کیا ہے کہ اگر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کا کوئی عہد کرالیا ہے یا کوئی ان کے لیے اس کا ضامن بنا ہے تو اس کو پیش کریں۔ اسی ضمن میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آج جو سخن سازیاں یہ لوگ کر رہے ہیں اس کا غم نہ کرو، جب قیامت کی ہلچل برپا ہو گی تب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جو خواب وہ دیکھتے رہے تھے وہ حقیقت سے کتنے دور تھے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے استدراج کے پھندے میں پھنس چکے ہیں اور اس کی تدبیر نہایت محکم ہوتی ہے۔ اس سے بچ نکلنے کا ان کے لیے کوئی امکان نہیں ہے تو صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کرو اور اس طرح کی عجلت سے بچو جس میں یونس علیہ السلام مبتلا ہوئے اور جس کے سبب سے ان کو ایک سخت امتحان سے دوچار ہونا پڑا۔

٦٩- سورة الحاقة

سورہ کا عمود اور نظام

اس سورہ پر تدبر کی نظر ڈالیے تو اس میں اور سابق گروپ کی سورۂ واقعہ میں مختلف پہلوؤں سے بڑی گہری مشابہت نظر آئے گی، مثلاً

... دونوں قیامت کا اثبات اور اس کے ہول کی تصویر ہے۔

... دونوں میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے انجام کی تفصیل ہے۔

... دونوں میں قرآن مجید کی صداقت و حقانیت پر قسم کھائی گئی ہے۔

سابق سورہ... القلم ... سے بھی اس کو بڑی گہری مناسبت ہے۔ اس کا عمود وہی ہے جو سابق سورہ کا ہے یعنی اثبات عذاب و قیامت۔ البتہ نہج استدلال دونوں میں الگ الگ ہے۔ قرآن کی عظمت و صداقت جس طرح سابق سورہ میں واضح کی گئی ہے اور اس کی تکذیب کے نتائج سے ڈرایا گیا ہے اسی طرح اس سورہ میں بھی یہی مضمون زیر بحث آیا ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ سابق سورہ میں یہ مضمون تمہید کی حیثیت سے ہے اور اس سورہ میں خاتمہ کے طور پر اور تذکیر و تعلیم کے پہلو سے ان دونوں اسلوبوں کی اہمیت الگ الگ ہے۔

۷۰- سورة المعارج

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الحاقۃ ... کی مثنیٰ ہے، دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ انذار عذاب و قیامت جس طرح سابق سورہ کا موضوع ہے اسی طرح اس کا بھی موضوع ہے۔ دونوں کے ظاہری اسلوب میں بھی بڑی مشابہت ہے جس طرح سابق سورہ میں اثبات جزا و سزا پر، وسط سورہ میں، قسم کھائی گئی ہے اسی طرح اس سورہ کے وسط میں بھی اسی نوعیت کی قسم ہے۔ خاص پہلو اس کا یہ ہے کہ اس میں ان متمردین کو تنبیہ فرمائی ہے جو عذاب و قیامت کا مذاق اڑاتے اور اس کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے۔ ان کے رویہ پر نبی ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ یہ بہت ہی تنگ ظرف اور تھڑدلے لوگ ہیں۔ اس وقت خدا نے ان کو جو ڈھیل دی ہے تو ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔ ذرا گرفت میں آجائیں تو ساری شیخی بھول جائیں گے۔ ان سے چندے درگزر کرو۔ ان کے فیصلہ کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔ جب وہ وقت آجائے تب انھیں اندازہ ہو گا کہ جس چیز کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے وہ کسی ہولناک چیز نکلی۔

۷۱- سورۃ نوح

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... المعارج... میں آپ نے دیکھا کہ عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کو جواب اور پیغمبر ﷺ کو صبر و انتظار کی تلقین ہے۔ اس سورہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مراحل، ان کے طویل صبر و انتظار اور بالآخر ان کی قوم کے مبتلائے عذاب ہونے کی سرگزشت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اور مقصود اس سے آنحضرت ﷺ اور آپ کی قوم کے سامنے ایک ایسا آئینہ رکھ دینا ہے جس میں آپ بھی دیکھ لیں کہ اللہ کے رسول کو اپنی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے صبر و انتظار کے کن زہرہ گداز مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ساتھ ہی آپ کی قوم بھی دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ جلد بازوں اور ان کے طنز و طعن کے باوجود ان کو ڈھیل اگرچہ ایک طویل مدت تک دیتا ہے لیکن بالآخر پکڑتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو اس طرح پکڑتا ہے کہ کوئی ان کو چھڑانے والا نہیں بنتا۔

۷۲-سورۃ الجن

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

یہ سورہ سابق سورہ... نوح... کی توام سورہ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قوم نوح کے لیڈروں نے جس ضد و مکابرت کا مظاہرہ کیا، پیغمبر کی دعوت سے جس طرح انھوں نے اپنے کان بند کر لیے اور پھر اس کا جو انجام ان کے سامنے آیا اس کی نہایت ہی موئثر اور عبرت انگیز تصویر قریش کے لیڈروں کے سامنے سورۂ نوح میں رکھ دی گئی ہے۔ اب اس سورہ میں ان کو یہ دکھایا جا رہا ہے کہ جس قرآن سے وہ اس درجہ بیزار ہیں کہ اس کو سن اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے، منہ نوچ لینے کو جھپٹتے اور دامن جھاڑ کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اسی کو سن کر جنوں کی ایک جماعت اس قدر اثر پذیر ہوتی ہے کہ وہ فوراً اپنی قوم کے اندر اس کی دعوت پھیلانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ جنوں کے جس واقعہ کا حوالہ یہاں ہے اس کا ذکر سورۂ احقاف کی آیات ۲۹-۳۲ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس کو سنانے سے مقصود ایک تو قریش کو غیرت دلانا ہے کہ جنات، جو قرآن کے براہ راست مخاطب بھی نہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ کبھی سر راہے بھی ان کے کانوں میں اس کی بھنک پڑ گئی ہے تو وہ اس کو سن کر تڑپ اٹھے اور ایک تم ہو کہ خاص تمہارے ہی لیے یہ اترا اور تمھی کو اس کی دعوت دینے کے لیے اللہ کا رسول اپنے رات دن ایک کیے ہوئے ہے لیکن تم ایسے بدقسمت ہو کہ اس کی کسی بات کا تمہارے دلوں میں اترنا تو درکنار تم اس کے سنانے والوں کے جانی دشمن بن گئے ہو۔ دوسرا مقصد اس سے نبی ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ اگر آپ کی قوم کے اشرار اس قرآن کی ناقدری کر رہے ہیں تو آپ اس سے آزردہ خاطر نہ ہوں۔ جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں وہ اس سے فیض یاب نہیں ہوں گے، خواہ آپ کتنے ہی جتن کریں۔ البتہ جن کے اندر کچھ صلاحیت ہو گی ان کے کانوں میں اگر اتفاق سے بھی اس کے کچھ کلمات پڑ جائیں گے تو وہ ان کے اندر گھر کر لیں گے، خواہ وہ اس کے مخاطب ہوں یا نہ ہوں اور خواہ ان کو سنانے کے لیے کوئی اہتمام کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

جنوں کے جس تاثر کا اس سورہ میں حوالہ دیا گیا ہے اس سے اگرچہ وہ لوگ متاثر نہیں ہوں گے جو صرف محسوسات کے غلام ہیں اور جو ان چیزوں کے سرے سے وجود ہی کے منکر ہیں جو ان کے

محسوسات کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن اس طرح کے لوگ یہاں مخاطب بھی نہیں ہیں۔ یہاں مخاطب مشرکین قریش ہیں جو اتنے بلید نہیں تھے کہ صرف انہی چیزوں کو مانیں جنھیں چھوتے اور دیکھتے ہوں۔ وہ جنوں کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ ان سے رابطہ رکھنے کے لیے انھوں نے کہانت کا پورا نظام قائم کر رکھا تھا اس وجہ سے قرآن نے ایک اہم واقعہ کی حیثیت سے ان کو جنوں کے یہ تاثرات سنائے کہ وہ چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کاہنوں کے واسطے سے وہ جنوں کے اشرار کی القاء کی ہوئی جھوٹی خبریں سنتے تھے۔ قرآن نے ان کے سامنے ان کے اخیار کی ایک سچی رپورٹ رکھی تاکہ جن کے اندر خیر و شر میں امتیاز کی کچھ صلاحیت ہے وہ اس سے ایمان کی طرف رہبری حاصل کریں۔ قرآن نے غیب کے جو حقائق بیان کیے ہیں وہ اسی مقصد سے بیان کیے ہیں کہ حق کے طالب ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اگرچہ محسوسات پرست اس کو واہمہ کی خلاق قرار دیں گے لیکن نااہلوں کی ناقدری کے سبب سے قدرت خلق کو اپنی فیض بخشی سے محروم نہیں کرتی۔

۷۳- سورۃ المزمل

سورہ کا زمانۂ نزول اور عمود

یہ سورہ اور بعد کی سورہ ... المدّثّر ... دونوں بالکل ہم رنگ و ہم مزاج اور توام ہیں۔ عام مفسرین نے ان کو بالکل ابتدائی سورتوں میں سے شمار کیا ہے لیکن ان کے مطالب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب قریش کے امراء و اغنیاء کی طرف سے دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس صورت حال سے نہایت مغموم و متفکر رہنے لگے ہیں۔

ایک انسان جب اپنے ماحول میں ہر شخص کی مخالفت اور اس کے طعن و طنز کا ہدف بن کر رہ جائے درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اس ماحول ہی کی اصلاح پر مامور ہو تو اس کے غم و الم کا جو حال ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس صورت حال سے قدرتاً اس پر خلوت پسندی اور خلق سے بے تکلفی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اٹھتا ہے تو اپنی چادر لپیٹ کر، چلتا ہے تو اس میں لپٹ کر، بیٹھتا ہے تو اس میں گوشہ گیر ہو کر اور لیٹتا ہے تو اس میں چھپ کر؛ اس لیے کہ تنہا اس کی چادر ہی ہوتی ہے جس کے دامن میں فی الجملہ اس کو اپنے باطن میں غوطہ زن ہونے اور اپنے خالق سے تعلق و توصل کے لیے سکون و اطمینان ملتا ہے۔

اس کا تھوڑا بہت تجربہ تو ہر اس شخص کو ہوتا ہے جو خلق و خالق سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ وہ خلق کے لیے سراپا رحمت و شفقت اور اپنے رب کی ڈالی ہوئی ذمہ داریوں کے معاملے میں نہایت حساس ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جان توڑ مساعی و اصلاح کے باوجود جب دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی مخاصمت بڑھتی جا رہی ہے تو ان کو گمان گزرتا ہے کہ مبادا اس میں انہی کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ یہ چیز ان کے غم و فکر کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو مطعون کر کے اپنے دل کو تسلی دینے کے بجائے خود اپنے اندر خلوت گزیں ہو کر صورت حال کا صحیح ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ذہنی کیفیت میں ان کو اپنی سب سے بڑی غم گسار اپنی چادر ہی محسوس ہوتی ہے جس میں چھپ کر گویا وہ اپنے ماحول سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

چادر میں لپیٹنے والے کو عربی میں ”مزّمّل۔“ کہتے ہیں۔ اس لفظ سے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اسی فکرمندی کا سراغ دیا ہے۔ یہ نہایت پیار کا خطاب ہے۔ اس دلنواز خطاب سے مخاطب کر کے آپ کو وہ طریقہ بتایا گیا ہے جو اس غم والم کو دور کر کے آپ کے اندر وہ قوت و عزیمت پیدا کرے گا جو موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے۔ گویا اس سورہ میں حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی وہ نسخہ بھی بتایا گیا ہے جو حوصلہ کو بلند اور کمر ہمت کو مضبوط رکھنے کے لیے نہایت کیمیا اثر ہے۔

۷۴-سورة المدثر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... المزّمّل ... کی توام ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ نام بھی دونوں کے بالکل ہم معنی ہیں۔ سابق سورہ میں نبی ﷺ کو جس 'قول ثقیل' کے تحمل کے لیے تیاری کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اس میں اس کا واضح الفاظ میں اظہار کر دیا گیا ہے کہ آپ کمربستہ ہو کر لوگوں کو انذار کریں، مخالفتوں کے علی الرغم اپنے موقف حق پر ڈٹے رہیں۔ دشمنوں کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑیں اور اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں کہ آپ کا فریضہ اس قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو صرف یاد دہانی کر دینا ہے، ہر ایک کے دل میں اس کو اتار دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس کو قبول وہی کریں گے جو سنت الٰہی کے مطابق اس کے قبول کرنے کے اہل ہوں گے۔ جو اس کے اہل نہیں ہیں وہ اس سے بیزار ہی رہیں گے خواہ ان کی ہدایت کے لیے آپ کتنے ہی جتن کریں۔

۷۵-سورة القيامة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ بھی، گروپ کی سابق سورتوں کی طرح، انذار قیامت کی سورہ ہے۔ سابق سورہ کا خاتمہ اس مضمون پر ہوا ہے کہ اس یاددہانی سے اعراض کرنے والوں کے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر نیکی اور بدی کا جو شعور اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا ہے یہ سرگشتگان دنیا اس کو ضائع کر بیٹھے ہیں۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ اس کو زندہ رکھتے ہیں ان کو مزید ہدایت و روشنی نصیب ہوتی ہے اور جو اس کو ضائع کر بیٹھتے ہیں وہ ایسے اندھے بہرے بن جاتے ہیں کہ ان پر کوئی تذکیر بھی کارگر نہیں ہوتی۔

اس سورہ میں اسی حقیقت کو اچھی طرح مبرہن کر دینے کے لیے نفس لوامہ کی، جو ہر انسان کی فطرت کے اندر ودیعت ہے، اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور اس کو قیامت کے ثبوت میں ایک دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ انسان کے اندر ایک مخفی زاجر کی حیثیت رکھتا ہے جو اس کو، جب وہ کسی بدی کا ارتکاب کرتا ہے، ملامت اور سرزنش کرتا ہے۔ انسان کے اندر اس کا پایا جانا نہایت واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ اس دنیا میں مطلق العنان اور غیر مسؤل بنا کر نہیں چھوڑا گیا کہ چاہے وہ نیکی کرے یا بدی اس کے خالق کو اس سے کچھ بحث نہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے اندر اس طرح کے کسی زاجر کو بٹھانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انسان ایک عالم اصغر ہے اس کے اندر نفس لوامہ کا پایا جانا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس عالم اکبر کے اندر بھی ایک نفس لوامہ ہے جس کو قیامت کہتے ہیں۔ وہ ایک دن ظہور میں آئے گی اور ان تمام لوگوں کو ان کی بداعمالیوں پر سرزنش کرے گی جنھوں نے اپنے اندر کے مخفی زاجر کی تنبیہات کی پروا نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کی عدالت کبریٰ کا ایک عکس ہر انسان کے اپنے وجود کے اندر نفس لوامہ کی عدالت صغریٰ کی شکل میں موجود ہے جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ جو شخص کوئی برائی کرتا ہے وہ کہیں پس پردہ نہیں کرتا بلکہ خدا کی عدالت کے دروازے پر اور اس کے مقرر کیے ہوئے کوتوال کے روبرو کرتا ہے۔ چنانچہ نفس لوامہ کی شہادت پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ 'بَلْ يُرِيْدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهٗ' (۵) (بلکہ انسان اپنے ضمیر کے روبرو شرارت کرنا چاہتا ہے)۔ اسی حقیقت کی وضاحت آگے

کی آیات میں یوں فرمائی ہے کہ ’بَلِ الْإِنسَانُ عَلَى نَفْسِه بَصِيْرَة. وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيْرَه‘ (۱۵-۱۴) (بلکہ انسان خود اپنے اوپر گواہ ہے اگرچہ وہ کتنے ہی عذرات تراشے)۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جدید فلسفۂ اخلاق کے ماہروں نے بھی چند بنیادی نیکیوں کا نیکی ہونا اور چند معروف برائیوں کا برائی ہونا بطور اصول موضوعہ تسلیم کر کے اپنی بحث کا آغاز کیا ہے۔ اگرچہ وہ یہ نہیں بتا سکے کہ ان نیکیوں کا نیکی یا ان برائیوں کا برائی ہونا انھوں نے کہاں سے جانا جس کے سبب سے ان کی ساری عمارت بے بنیاد رہ گئی ہے لیکن یہ حقیقت انھیں تسلیم ہے کہ بنیادی نیکیوں اور بنیادی برائیوں کے شعور سے انسان محروم نہیں ہے۔ قرآن نے اس سورہ میں اس حقیقت سے یوں پردہ اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر نہ صرف نیکی اور بدی کا شعور ودیعت فرمایا ہے بلکہ اس کے اندر ایک مخفی زاجر (ضمیر) بھی رکھا ہے جو برائیوں کے ارتکاب پر اس کو سرزنش کرتا اور نیکیوں پر اس کو شاباش دیتا ہے اور پھر اسی نفسیاتی حقیقت پر اس نے قیامت اور جزا و سزا کی دلیل قائم کی ہے کہ جس فاطر نے ہر انسان کے نفس کے اندر اس کی بد عملی پر سرزنش اور اس کی نیکی پر تحسین کے لیے یہ اہتمام فرمایا ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس مجموعی کائنات کے لیے کوئی ایسا دن نہ لائے جس میں اس پوری دنیا کا محاسبہ ہو اور ہر شخص اپنی نیکیوں کا صلہ اور اپنی بدیوں کی سزا پائے۔

۷۶- سورة الدھر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ... القیٰمۃ ... کی توام ہے۔ سابق سورہ جس مضمون پر ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ اُسکی آخری چار اور اس کی ابتدائی تین آیتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ دونوں نے ایک حلقۂ اتصال کی شکل اختیار کر لی ہے اور یہ چیز توام سورتوں میں بالعموم نمایاں ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

دونوں کا عمود بالکل ایک ہی ہے، البتہ نہج استدلال اور طریق بحث دونوں میں الگ الگ ہے۔ پہلی میں قیامت کی دلیل انسان کے اندر نفس لوامہ کے وجود سے پیش کی گئی ہے اور اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر سمع وبصر کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اور اس کو خیر و شر کے درمیان امتیاز کی جو قابلیت بخشی ہے اس کا بدیہی تقاضا ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں ان لوگوں کو داد ملے جنھوں نے ان اعلیٰ صلاحیتوں کا حق پہچانا اور اپنے پروردگار کے شکر گزار رہے اور وہ لوگ اپنے اندھے پن کی سزا بھگتیں جنھوں نے ان کی ناقدری کر کے کفر کی راہ اختیار کی۔ اگر یہ جزاو سزا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، العیاذ باللہ، شاکر اور کافر دونوں برابر ہیں۔

بعض مصاحف میں اس سورہ کو مدنی ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن پوری سورہ کا مدنی ہونا تو الگ رہا اس کی ایک آیت کے بھی مدنی ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے اصلی کسوٹی ان کے مطالب و مضامین ہیں۔ آگے مطالب کا تجزیہ بھی آپ کے سامنے آئے گا اور آیات کی تفسیر بھی ان سے واضح ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے اس کو مدنی خیال کیا ہے ان کے خیال کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

۷۷- سورة المرسلات

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اپنے عمود، تمہید اور طرز استدلال کے اعتبار سے چھٹے گروپ کی سورۂ ذاریات سے اور اپنے اسلوب بیان اور مزاج میں سورۂ رحمان سے مشابہ ہے۔ سورۂ ذاریات میں، بطریق قسم، ہواؤں کے عجائب تصرفات سے عذاب اور قیامت پر استدلال کیا گیا ہے اور عمود اس کا 'إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ. وَّإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ' ہے۔ (جس عذاب کی تمھیں وعید سنائی جا رہی ہے وہ سچی ہے اور جزاء و سزا ایک امر شدنی ہے۔) اسی طرح اس سورہ میں بھی ہواؤں کے عجائب تصرفات کی بطور شہادت قسم کھا کر فرمایا ہے کہ 'إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ' (بے شک جس چیز کی تمھیں وعید سنائی جا رہی ہے وہ ایک امر شدنی ہے)۔

مزاج اور اسلوب کلام میں سورۂ رحمان سے اس کی مشابہت یوں ہے کہ جس طرح وہ ترجیع والی سورتوں میں سے ہے، آیت 'فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ' اس میں بار بار آئی ہے، اسی طرح اس سورہ میں آیت 'وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ' (تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔) دس بار آئی ہے۔ ترجیع والی سورتوں کے باب میں، یہ اصولی حقیقت سورۂ رحمان کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان میں خطاب بالعموم ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہے جو ایک واضح حقیقت کو محض مکابرت اور انانیت کی بنا پر، جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کان اور آنکھیں کھولنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ متکلم صرف اپنے دلائل بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ ہر دلیل کے بعد بطور تنبیہ ان کے جرم اور انجام سے ان کو آگاہ بھی کرتا رہے۔ مخاطب کے اس مزاج کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جائے تو جس طرح مریض کے مزاج سے ناواقف معالج کی دوا بے اثر رہ جاتی ہے اسی طرح مخاطب کے مزاج سے ناآشنا متکلم کا کلام بھی بے اثر ہو کے رہ جاتا ہے۔ مخاطبوں کے مزاج کا اختلاف ایک امر فطری ہے اس وجہ سے اس کا لحاظ بلاغت کلام کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ جو لوگ اس نکتہ سے ناآشنا ہیں وہ قرآن کی اس نوع کی ترجیعات کو تکرار پر محمول کرتے ہیں حالانکہ کلام کے اداشناس جانتے ہیں کہ قرآن میں ہر ترجیع اپنے محل میں انگشتری پر نگینہ کا حسن رکھتی ہے۔

سابق سورہ سے اس کے تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں استدلال کی اصل بنیاد نفس انسانی کی شہادت پر ہے۔ فطرت کے اندر خیر و شر کے درمیان امتیاز کی جو صلاحیت ودیعت ہے اس کی اساس پر جزا و سزا کو ثابت کر کے ایک روز جزا سے ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اس بدیہی حقیقت کو جھٹلائیں اور ان لوگوں کو بشارت دی گئی ہے جو اپنے باطن کی گواہی قبول کریں اور اپنی زندگیاں اس کے تقاضوں کے مطابق سنواریں۔ اس سورہ میں اصل استدلال آفاق کے آثار و شواہد سے ہے۔ کسی انفسی دلیل کا حوالہ ہے تو محض اشارۃً۔ گویا نوعیت استدلال دونوں میں الگ الگ ہے، موضوع کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ مزاج میں یہ فرق بالکل واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ سابق میں بشارت کا پہلو نمایاں ہے اور اس میں انذار کا۔ اس کی سب سے بڑی شہادت اس کی ترجیع سے ملتی ہے۔

۷۸- سورة النبأ

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... المرسلٰت ... کی توام سورہ ہے۔ دونون کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ جس طرح اس میں آفاقی، تاریخی اور انفسی دلائل سے یہ حقیقت ثابت کی گئی ہے کہ اس دنیا کے بامقصد و باغایت ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ ایک دن ختم ہو اور اس کے بعد ایک ایسا فیصلہ کا دن آئے جس میں نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا صلہ ملے اور جو مجرم ہوں وہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں اسی طرح اس سورہ میں بھی ایک یوم الفصل کا اثبات فرمایا ہے جس میں خدا کے باغی اپنی سرکشی کی سزا بھگتیں گے اور خدا ترس اپنی خدا ترسی کا انعام پائیں گے۔ استدلال اس میں خدا کی ربوبیت کے آثار و شواہد سے ہے جس سے آسمان و زمین کا چپہ چپہ معمور ہے۔

لب ولہجہ دونوں سورتوں کا بالکل ایک ہی ہے۔ کلام استفہام اقراری کے انداز میں شروع ہوا ہے جو ان مستکبرین و مکذبین کو خطاب کرنے کے لیے مخصوص ہے جو بالکل بدیہی حقائق کو جھٹلانے کے درپے ہوں۔ دلائل کے پہلو بہ پہلو زجر و ملامت اور تہدید و توبیخ ہر آیت میں نمایاں ہے۔ اہل ایمان کے لیے جو بشارت ہے وہ بھی گویا ان مکذبین کی تہدید ہی کے پہلو سے آئی ہے کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے انجام بد کا موانہ کرلیں۔

۷۹- سورة النازعات

سورہ کا عمود

اس سورہ میں بھی قریش کے متمردین کو انذار ہے جو عذاب اور قیامت کو بالکل بعید از امکان، محض ایک دھمکی خیال کرتے تھے۔ ہواؤں اور بادلوں کے عجائب تصرفات شہادت میں پیش کر کے ان کو آگاہ فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی پکڑ سے محفوظ نہ سمجھو اور رسول کو جھٹلانے کی جسارت نہ کرو۔ تم اسی وقت تک محفوظ ہو جب تک خدا نے تم کو مہلت دے رکھی ہے۔ جونہی یہ مہلت ختم ہوئی خدا کی پکڑ میں آجاؤ گے اور اس کے لیے خدا کو کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑے گا۔ یہی ہوائیں اور یہی بادل جو ہر جگہ موجود اور تمہاری زندگی کے لیے ناگزیر ہیں، قہرِ الٰہی کی شکل اختیار کر لیں گے اور تمہیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

تمہید اور مطالب کے اعتبار سے یہ سورہ، سورۂ ذاریات اور سورۂ مرسلات سے ملتی جلتی ہوئی ہے۔ دنیا میں خدا کی پکڑ اور اس کی قدرت و ربوبیت کی جو شانیں بالکل نمایاں ہیں وہ اس امر کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان سرکشوں کو سزا دے گا جنھوں نے اس کے حکموں سے سرتابی کی اور ان لوگوں کو اپنی ابدی رحمت سے نوازے گا جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرتے اور اپنی خواہشوں کو لگام لگاتے رہے۔

۸۰- سورة عبس

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ... النّٰزعٰت ... کے جوڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ اسلوب بیان اور مواد استدلال میں بھی دونوں کے اندر نہایت واضح یکسانی ہے۔ مطالب کی ترتیب میں البتہ تبدیلی ہوئی ہے جس سے ایک نیا حسن اس میں پیدا ہو گیا ہے اور دراصل یہی واحد چیز ہے جو اس سورہ کو سابق سورہ سے ممتاز کرنے والی ہے۔ آپ دونوں کو سامنے رکھ کر آسانی سے ان کے مابہ الاشتراک اور مابہ الاختلاف کو معین کر سکتے ہیں۔

سابق سورہ کے آخر میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے کہ 'إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا' (۴۵)(تم تو بس انہی لوگوں کو قیامت سے ڈرا سکتے ہو جو اس سے ڈرنے والے ہوں) اسی مضمون سے اس سورہ کی تمہید استوار فرمائی ہے اور نبی ﷺ کو بانداز عتاب قریش کے ان متمردین کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روک دیا ہے جو ایمان نہ لانے کے روز روز نئے نئے بہانے تلاش کرتے اور نازک مزاجی میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ آپ سے مطالبہ کرتے تھے کہ جب تک آپ اپنے غریب ساتھیوں کو اپنے پاس سے ہٹا نہیں دیں گے اس وقت تک وہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کے روادار نہیں ہوں گے۔ اس پوری سورہ میں انہی متمردین پر نہایت شدت سے عتاب ہے۔ اگرچہ خطاب بظاہر نبی ﷺ سے ہے لیکن عتاب کا رخ تمام تر قریش کے فراعنہ ہی کی طرف ہے۔

۸۱- سورة التكوير

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

پچھلی دونوں توام سورتوں ... النّٰزِعٰت اور عبس ... میں جس ہول قیامت سے ’طآمّۃ‘ اور ’صَآخَّۃ‘ کے ناموں سے ڈرایا گیا ہے اس سورہ میں اسی ہول کی پوری تصویر ہے۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں پھر انسان کے قریب و بعید اور اس کے ظاہر و باطن کے ہر گوشہ میں اس ہلچل کے جو اثرات مترتب ہوں گے وہ اس طرح نگاہوں کے سامنے کر دیے گئے ہیں کہ انسان اگر سوچنے سمجھنے والا ہو تو ان آیات کے آئینے میں وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے جو ابھی پس پردہ ہے لیکن ایک دن وہ سب اس کے سامنے آنے والا ہے۔

اس کے بعد قریش کے مکذبین کو مخاطب کر کے آگاہ کیا گیا ہے کہ قرآن اس دن سے جو تمہیں ڈرا رہا ہے تو اس کو ایک حقیقت سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔ یہ خدا کا نازل کردہ کلام ہے جو اس نے اپنے سب سے مقرب و معتمد فرشتے کے ذریعہ سے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ اگر تم نے اس کو کاہنوں کی کہانت اور شاعروں کی شاعری سمجھ کر رد کر دیا تو یاد رکھو کہ نہ خدا کا کچھ بگاڑو گے نہ رسول کا بلکہ اپنی ہی تباہی کا سامان کرو گے۔ رسول کا کام لوگوں تک اس یاددہانی کو پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس پر ایمان لانے کی توفیق انہی کو حاصل ہو گی جو حق کے قدردان اور اس کے طالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

۸۲- سورة الانفطار

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... التکویر ... کی توام ہے۔ دونوں کے ظاہر و باطن اور اسلوب و معنی میں نہایت واضح مشابہت ہے۔ جس طرح سابق میں پہلے اس ہلچل کی تصویر کھینچی گئی ہے جو ظہور قیامت کے وقت آسمانوں اور زمین میں برپا ہو گی اسی طرح اس کا آغاز بھی اسی ہول کے ذکر سے ہوا ہے۔ دونوں میں اصل مدعا بھی تقریباً ایک ہی طرح کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ پہلی سورہ میں ہول قیامت کی تصویر کے بعد فرمایا ہے: ’عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ‘ (۱۴) (اس دن ہر جان اس چیز کو دیکھ لے گی جو اس نے پیش کی) اسی طرح اس سورہ میں، ٹھیک اسی محل میں، فرمایا کہ ’عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ‘ (۵) (اس دن ہر جان دیکھ لے گی جو اس نے آگے بڑھایا اور جو پیچھے چھوڑا)۔ سلف سے بھی یہ بات منقول ہوئی ہے کہ جس کو ہول قیامت کی تصویر دیکھنی ہو وہ ان سورتوں میں دیکھے۔ دونوں میں اصل مخاطب وہ اغنیاء و مستکبرین ہیں جو قرآن کے انذار کو اس وجہ سے خاطر میں نہیں لا رہے تھے کہ ان کو اپنے قلعوں اور حصاروں میں دراڑ پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

البتہ بنائے استدلال دونوں میں الگ الگ ہے۔ پہلی سورہ میں استدلال کی بنیاد قرآن کی صداقت و حقانیت پر رکھی گئی ہے۔ یعنی یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اس کا منبع، اس کے نزول کا واسطہ اور اس کا حامل سب طاہر و مطہر اور نورٌ علیٰ نورٍ ہیں۔ جو لوگ اس کا جوڑ کاہنوں اور منجموں کا اٹکل پچو باتوں سے ملانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ شب دیجور اور صبح صادق کے درمیان امتیاز سے قاصر ہیں۔

اس سورہ میں استدلال خالق کائنات کی صفات خلق، قدرت، حکمت، عدل اور رحمت سے ہے۔ یعنی انسان کی خِلقت کے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کی جو نشانیاں ظاہر ہیں ان کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک روز جزا و سزا بھی لائے جس میں اپنے نیکوکار و وفادار بندوں کو انعام اور نافرمانوں اور سرکشوں کو سزا دے۔ ایک ایسے دن کا آنا لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کام ذرا بھی دشوار نہیں۔ جب اس نے پہلی بار پیدا کیا اور اس میں اس کو کوئی مشکل نہیں پیش آئی تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیوں مشکل ہو جائے گا؟ اگر

اس دنیا میں وہ مجرموں کے جرائم سے چشم پوشی کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نیکی اور بدی کے معاملے میں بے حس ہے۔ بلکہ یہ محض اس کی کریمی ہے کہ وہ بندوں کو مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنے رویے کی اصلاح کر لیں، اگر چاہیں اور اصلاح نہ کریں تو ان پر اس کی حجت پوری ہو جائے اور قیامت کے دن وہ کوئی عذر نہ کر سکیں۔ اس تاخیر سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول و عمل مخفی ہے۔ اس نے ہر شخص پر اپنے معزز فرشتے مامور کر رکھے ہیں جو اس کی ہر بات نوٹ کر رہے ہیں۔

۸۳- سورۃ المطففین

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الانفطار... کا تکملہ و تتمہ ہے۔ دونوں کا عمود بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ سورۂ انفطار کے آخر میں ابرار اور فجار کی جو تقسیم ہے اس سورہ میں اسی کی تفصیل ہے۔ صرف استدلال کی بنیاد دونوں میں الگ الگ ہے۔ سابق سورہ میں استدلال اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے ہے جو خود انسان کی خِلقت کے اندر نمایاں ہیں۔ اس سورہ میں استدلال اس فطرت سے ہے جو فاطر نے انسان کے اندر ودیعت فرمائی ہے۔

اس استدلال کی تقریر بالاجمال یوں ہے کہ انسان بالطبع عدل اور خیر کو پسند کرنے والا اور ظلم وشر سے نفرت کرنے والا ہے۔ اس کی یہ پسند اور ناپسند اس بات کی شہادت ہے کہ فاطر فطرت عدل اور ظلم یا بالفاظ دیگر عادل اور ظالم میں فرق و امتیاز کرنے والا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نیک اور بد دونوں اس کے نزدیک یکساں ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ انسان کی فطرت میں نیک اور بد میں یہ امتیاز کیوں رکھتا؟

رہا یہ سوال کہ انسان جب طبعاً نیکی پسند ہے تو وہ بدی کیوں کر گزرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بدی اس وجہ سے نہیں کرتا کہ یہی اس کو طبعاً مرغوب ہے۔ طبعاً تو اس کو مرغوب نیکی ہی ہے لیکن بسا اوقات نفس کے دوسرے داعیات سے وہ مغلوب ہو کر، اپنی فطرت کے خلاف بدی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اگر بدی اور ناانصافی اس کو طبعاً مرغوب ہوتی تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ناانصافی کرتا تو وہ اس پر بھی راضی رہتا لیکن ہر شخص دیکھتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہی شخص جو دوسروں کے لیے ناپ اور تول میں بے ایمانی کرتا ہے جب دوسرے اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں تو وہ چیختا اور فریاد کرتا ہے۔

قرآن نے اس سورہ میں انسان کی اسی فطرت کو شہادت میں پیش کر کے یہ تذکیر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور اس نے اپنے بندوں کے اندر بھی عدل اور خیر کی محبت ودیعت فرمائی ہے اس وجہ سے لازمی ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں ان لوگوں کو بھرپور انعام دے جو اپنی فطرت کے اس نور کی قدر کریں اور ان لوگوں کو سزا دے جو اس کی بے حرمتی کریں۔

قیامت کے حق میں یہ طریق استدلال قرآن نے جگہ جگہ اختیار کیا ہے اور ہم برابر اس کی وضاحت کرتے آرہے ہیں۔ خاص طور پر سورۂ قیامہ میں 'نفس لوامہ' کی قسم اور 'بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ . وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ (بلکہ انسان خود اپنے اوپر حجت ہے اگرچہ وہ کتنے ہی عذرات تراشے) کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

۸۴- سورة الانشقاق

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ اور سابق سورہ... المطففین... میں نہایت واضح معنوی مشابہت موجود ہے۔ جزا و سزا کے منکروں کو جس طرح اس میں متنبہ کیا گیا ہے اسی طرح اس سورہ میں بھی اسی گروہ کو جھنجھوڑا گیا ہے۔ اس میں بیان فرمایا ہے کہ ایک ایسا دن لازماً آنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ایمان اور عمل کی بنیاد پر الگ الگ گروہوں میں تقسیم کرے گا، جو خدا کے فرماں بردار و نیکوکار ہوں گے وہ ابدی بادشاہی میں داخل ہوں گے اور جو نافرمان و نابکار ہوں گے وہ ابدی ذلت سے دوچار ہوں گے۔ اس سورہ میں بھی لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم ہونا بیان ہوا ہے۔ ایک وہ جن کو ان کے اعمال نامے دہنے ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اور وہ ابدی کامیابی حاصل کریں گے دوسرے وہ جن کے اعمال نامے ان کے پیچھے ہی سے ان کا بائیں ہاتھ میں پکڑا دیے جائیں گے اور وہ ابدی ذلت سے دوچار ہوں گے۔

دونوں میں اصل مخاطب وہ مترفین و ارباب تنعم ہیں جو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اول تو جزا و سزا کا کوئی دن آنے والا ہے نہیں اور ہے بھی تو ان کو جو عزت و سرفرازی یہاں حاصل ہے وہ وہاں بھی حاصل رہے گی۔ ان کو بتایا گیا ہے کہ انسان کی فطرت عدل کے شعور سے عاری نہیں ہے اور خالق نے یہ دنیا اندھیر نگری نہیں بنائی ہے، اس وجہ سے لازم ہے کہ ایک دن ایسا آئے جس میں نیکوں اور بدوں کے درمیان امتیاز ہو۔ اس دن وہ لوگ ہلاک ہوں گے جو اس بدیہی حقیقت کو پس پشت ڈال کر زندگی گزاریں گے۔

استدلال کی نبیاد سابق سورہ میں، جیسا کہ وضاحت ہو چکی ہے، انسانی فطرت پر ہے اور اس سورہ میں، جیسا کہ آگے وضاحت ہو گی، آفاق کے بعض شواہد پر۔

۸۵- سورة البروج

سورہ کا زمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ دعوت کے اس دور میں نازل ہوئی جب کفار قریش اول اول اسلام لانے والوں کو اس غصہ میں ہر قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے کہ انھوں نے آبائی دین چھوڑ کر یہ نیا دین کیوں اختیار کر لیا؟ ان کو اس میں آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس ظلم و ستم سے باز نہ آئے تو بہت جلد خدا کی ایسی سخت پکڑ میں آجائیں گے جس سے کبھی نہ چھوٹ سکیں گے۔ ساتھ ہی مظلوم مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان مظالم سے وہ ہراساں نہ ہوں بلکہ دین حق پر جمے رہیں۔ حالات بظاہر کتنے ہی نامساعد ہوں لیکن جس رب پر وہ ایمان لائے ہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے ارادوں میں کوئی بھی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ آخرت میں کفار کو یہ تنبیہ بھی فرما دی گئی ہے کہ اس قرآن کو، جو ان کو اس خطرے سے آگاہ کر رہا ہے، سحر و نجوم اور کہانت و شاعری کے قسم کی کوئی چیز نہ سمجھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے اور اس کا منبع لوح محفوظ ہے۔ اس کی ہر بات پوری ہو کے رہے گی۔

۸۶- سورة الطارق

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ کی توام ہے۔ دونوں کا عمود بالکل ایک ہے۔ صرف اسلوب بیان اور نہج استدلال الگ الگ ہیں۔ تمہید اور خاتمہ کے پہلو سے بھی دیکھیے تو دونوں میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔ آفاق و انفس کے شواہد اور خالق کائنات کی صفات کی روشنی میں یہ حقیقت ان میں مبرہن فرمائی گئی ہے کہ قرآن جس روز جزا و سزا سے ڈرا رہا ہے اس کو ہنسی مسخری نہ سمجھو۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس کے ظہور میں جو دیر ہو رہی ہے تو اس کو تکذیب کا بہانہ نہ بناؤ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے ڈھیل ہے کہ اس کی حجت تمام ہو جائے اور تم اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لو۔ خدا کی تدبیر نہایت محکم ہوتی ہے اس وجہ سے وہ سرکشوں کو پکڑنے میں عجلت نہیں کرتا۔ لیکن جب پکڑتا ہے تو کوئی اس کے پنجۂ عذاب سے چھوٹ نہیں سکتا۔

۸۷-سورة الأعلى

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... الطارق ... نبی ﷺ کو تلقین صبر و انتظار پر ختم ہوئی ہے۔ آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے استدراج کے پھندے میں پھنس چکے ہیں، اب ان کے دن گنتی کے ہیں جو وہ پورے کر رہے ہیں۔ ان کو تھوڑی سی مہلت اور دو۔ ان کے طغیان کا انجام ان کے سامنے آیا ہی چاہتا ہے۔ اطمینان رکھو کہ یہ خدا کے قابو سے باہر نہیں جاسکتے۔ وہ ہر طرف سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اب اس سورہ میں قریش کے ہٹ دھرموں سے صرف نظر کرکے براہ راست نبی ﷺ سے خطاب فرمایا ہے اور آپ کو یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ایک ترتیب و تدریج ہے اور یہ ترتیب و تدریج تمام تر اس کی حکمت پر مبنی ہے تو اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہاری سعی بامراد اور اللہ کی نعمت تم پر تمام ہو گی اور راہ کی ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ خطاب کی یہ تبدیلی آگے کی سورتوں میں (کم از کم دس سورتوں تک) نمایاں ہے۔ ان میں مخالفین سے کوئی بات کہی گئی ہے تو ضمناً۔ اصل خطاب نبی ﷺ ہی سے ہے اور مختلف اسلوبوں سے آپ کی وہ تمام الجھنیں دور فرمائی گئی ہیں جو دعوت کے اس مرحلے میں پیش آئیں یا جن کے پیش آنے کا امکان تھا۔

۸۸- سورة الغاشية

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الاعلیٰ ... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ جس طرح سابق سورہ میں نبی ﷺ کو تسی دی گئی ہے اسی طرح اس میں بھی آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ البتہ انداز خطاب، طریق استدلال اور تفصیل و اجمال کے پہلو سے دونوں میں فرق ہے۔ اس میں پہلے وہ فرق و اختلاف واضح فرمایا گیا ہے جو قیامت کے دن نیکوں اور بدوں، ناعاقبت اندیشوں اور عاقبت بینوں کے نتائج اعمال اور ان کی زندگیوں میں رونما ہو گا اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس کا رونما ہونا اس کائنات کے خالق کی صفات قدرت، ربوبیت اور رحمت کا بدیہی تقاضا ہے۔ پھر آخر میں اس مضمون تسلی کی وضاحت فرمادیا گئی ہے جو سابق سورہ کی آیت: 'فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى' (۲۴) میں اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ آپ کی ذمہ داری لوگوں تک صرف حق پہنچا دینے کی ہے۔ یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگ اس کو لازماً قبول بھی کر لیں۔ جو ہٹ دھرم اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں ان کے درپے ہونے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیے۔ وہ ان سے نمٹنے کے لیے کافی ہے۔

---

(۲۴) -الأعلیٰ ۹:۸۷

۸۹- سورة الفجر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ آسمان و زمین کی بعض نمایاں نشانیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس مضمون پر ختم ہوئی کہ جس خالق نے ان چیزوں کو وجود بخشا اس کی عظیم قدرت و حکمت اور اس کی غیر محدود ربوبیت سے کسی عاقل کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ مقصود اس سے اس حقیقت کو سامنے لانا ہے کہ جب وہ عظیم قدرت و حکمت رکھنے والا بھی ہے اور اس وسعت کے ساتھ اس نے اپنا خوان کرام بھی بچھا رکھا ہے تو اس کی ان صفات کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں ان لوگوں سے باز پرس کرے جنھوں نے اس کی نعمتیں پا کر اس کی دنیا میں دھاندلی مچائی اور ان لوگوں کو انعام دے جنھوں نے شکر گزاری اور اطاعت شعاری کی زندگی بسر کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ اس کی رحمت و ربوبیت کے بھی منافی ہے اور اس کی قدرت و حکمت کے بھی۔

اس کے بعد نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ تم جس چیز سے لوگوں کو آگاہ کر رہے ہو اس کے دلائل و شواہد آسمان و زمین کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔ اگر ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہے ہیں تو تم اپنا فرض انذار ادا کر دو۔ اندھوں کو راہ دکھانا تمہارا کام نہیں ہے۔

اس سورہ میں آفاق اور تاریخ کے بعض نمایاں آثار و واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کی باگ اس کے خالق و مالک کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو جس حد تک چاہتا ہے ڈھیل دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ مجال نہیں ہے کہ کوئی شے اس کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھ سکے۔ قوموں کے ساتھ بھی اس کا یہی معاملہ ہے۔ ان کو جو ڈھیل ملتی ہے اس کے اذن سے ملتی ہے اور جب ان پر گرفت ہوتی ہے تو اس کے حکم سے ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ ہر وقت قوموں کی نبض پر رہتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر ایک کا امتحان ہو رہا ہے کہ وہ نعمت پا کر شکر کی روش اختیار کرتا ہے یا فخر و استکبار کی۔ اسی طرح مشکل حالات میں صبر و ثابت قدمی کا ثبوت دیتا ہے یا مایوسی و دل شکستگی کا۔ پہلی روش ابدی فتح و فیروز مندی کی ضامن ہے اور دوسری دائمی خسران و نامرادی کی۔ اللہ کا مبارک بندہ وہ ہے جو نفس مطمئنہ کے

ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹا۔ نہ نعمت پا کر مغرور ہوا اور نہ فقر کی آزمائش سے دل شکستہ۔ انہی کو ’رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً‘ کی بادشاہی حاصل ہو گی۔

۹۰- سورة البلد

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الفجر... کی توام ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔

سابق سورہ میں انسان کی اس غلط فہمی پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ جب اس کو نعمت ملتی ہے تو وہ یہ خیال کر کے اکڑنے اور اترانے لگتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی فرمائی ہے اور اگر کوئی آزمائش پیش آجاتی ہے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی حق تلفی ہوئی ہے اور خدا نے اس کو ذلیل کر دیا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی حالت بھی نہ عزت افزائی کے لیے پیش آتی نہ ذلیل کرنے کے لیے بلکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بندے کے شکر یا صبر کا امتحان کرتا ہے۔ انسان کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ نہ نعمت پا کر اکڑنے والا بنے نہ اس سے محروم ہو کر دل شکستہ و مایوس ہو بلکہ نعمت ملے تو اپنے رب کا شکر گزار بندہ بنے اور اس نعمت میں اللہ کے دوسرے حاجت مند بندوں کو شریک کرے اور اگر کوئی افتاد پیش آئے تو اپنی محرومی کا رونا رونے اور خدا کو کوسنے کے بجائے فیصلۂ تقدیر پر صابر و راضی رہے۔ جو بندہ یہ روش اختیار کرتا ہے اس کا نفس ‘نفس مطمئنہ’ ہے اور آخرت میں اس کو ‘رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً’ کی بادشاہی حاصل ہو گی۔

اس سورہ میں اسی کلیہ کو قریش پر منطبق کیا ہے اور یہ کھایا ہے کہ یہ سرزمین ... سرزمین مکہ ... اس زمانے میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا ہے، رزق کے وسائل سے بھی محروم تھی اور امن سے بھی۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے رزق اور امن کی جو دعا فرمائی اس کی برکت سے یہاں رزق کی بھی فراوانی ہوئی اور امن کے اعتبار سے بھی اس علاقے کا یہ حال ہوا کہ یہاں کسی انسان تو درکنار کسی جانور کو بھی دکھ پہنچانا گناہ ٹھہرا۔ اسی امن اور رزق کا یہ فیض ہے کہ اولاد اسمٰعیل یہاں خوب پھلی پھولی اور اس پورے ملک پر اس کو سیادت و قیادت حاصل ہوئی۔ لیکن یہ نعمتیں پا کر اپنی پچھلی تاریخ یہ لوگ بھول بیٹھے۔ اب یہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ جو کچھ ان کو حاصل ہے ان کا پیدائشی حق ہے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا ان

کے دلوں پر بہت گراں گزرتا ہے۔ ان کی آنکھیں عبرت نگاہی سے محروم اور زبانیں حق و صبر اور نیکی و احسان کے ذکر سے گنگ ہو چکی ہیں۔ اب ان کا مال ان کی اپنی عیاشیوں اور فضول خرچیوں کے لیے ہے۔ کوئی نہیں ہے جو یتیموں اور مسکینوں کی خدمت کی راہ میں کوئی قربانی پیش کرنے اور آخرت کی ابدی فائز المرامی حاصل کرنے کا حوصلہ کرے بلکہ سب نے جہنم کی راہ اختیار کر لی ہے۔

یہ سورتیں چونکہ بالکل ابتدائی دور کی ہیں اس وجہ سے ان میں خطاب بھی بالعموم 'یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ' سے ہے اور ان میں جو دعوت یا اپیل ہے وہ بھی تمام تر انسانیت اور اس کے فطری مبادی پر مبنی ہے۔

۹۱- سورة الشمس

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

سابق سورہ... البلد... میں قریش کے لیڈروں کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ جب تم اس وادیٔ مکہ میں بسائے گئے اس وقت یہاں زندگی نہایت مشقت کی زندگی تھی۔ یہ ایک بے آب و گیاہ علاقہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور بیت اللہ کی برکت سے یہاں تم کو رزق و فضل کی فراوانی حاصل ہوئی اور تم پھلے پھولے۔ تو یہ نعتمیں پا کر خدا سے اکڑنے والے اور اس کی زمین میں فساد برپا کرنے والے نہ بنو ورنہ یاد رکھو کہ جو خدا یہ سب کچھ دے سکتا ہے وہ جب چاہے اس کو چھین بھی سکتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔

اس سورہ میں ان کو طغیان و سرکشی کے انجام سے ڈرایا ہے۔ اس کی تمہید یوں استوار فرمائی ہے کہ دیکھتے ہو کہ کائنات بظاہر اضداد کی ایک رزم گاہ ہے لیکن خدائے قادر و قیوم ان اضداد میں سے کسی کو ان کے حدود سے تجاوز نہیں کرنے دیتا جس کا فیض یہ ہے کہ یہ اضداد نہ صرف یہ کہ آپس میں ٹکراتے نہیں بلکہ پوری سازگاری کے ساتھ اس کائنات کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی اس سازگاری ہی پر اس کے بقا کا انحصار ہے ورنہ یہ دنیا چشم زدن میں درہم برہم ہو جاتی۔

اس کے بعد نفس انسانی کی تشکیل کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو حال اس عالم اکبر کا ہے وہی حال عالم اصغر یعنی نفس انسانی کا بھی ہے۔ یہ بھی خیر و شر کے متضاد داعیات و محرکات سے مرکب ہے اور خالق نے انسان کی فطرت میں خیر و شر کا امتیاز بھی ودیعت فرمایا ہے اور خیر سے محبت اور شر سے نفرت کا ذوق بھی بخشا ہے۔ اس کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے توازن کو قائم رکھے اور برے داعیات کو خیر کے داعیات پر غلبہ نہ پانے دے ورنہ وہ طغیان و فساد میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنی دنیا میں طغیان و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اس کو وہ اسی حد تک ڈھیل دیتا ہے جس حد تک وہ اس دنیا کی مصلحت کے مطابق پاتا ہے۔ جب یہ اس حد سے متجاوز ہونے لگتا ہے تو خالق کائنات اس کا سر کچل دیتا ہے اور ان لوگوں سے اپنی دنیا کو پاک کر دیتا ہے جن کا وجود بحیثیت مجموعی اس کے لیے زہرناک بن جاتا ہے۔

آخر میں اپنی اس سنت کے ظہور کی شہادت کے طور پر عرب کی پچھلی قوموں میں سے ایک ایسی قوم کی تباہی کا ذکر فرمایا ہے جس کی شوکت وصولت سے قریش واقف تھے اور جس کے طغیان وفساد کا ذکر ان کے لٹریچر میں موجود تھا۔ ان کی مثال سے قریش کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے اور ڈرایا ہے کہ اگر انہی کی طرح تمہارا مزاج بھی فاسد ہو گیا تو تم بھی خدا کے بے امان عذاب کی زد میں آجاؤ گے اور پھر کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں اٹھے گا۔

۹۲- سورة الليل

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے متعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الشمس... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ ان کے ظاہر اور باطن میں اتنی گہری مشابہت و مماثلت ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان کی یکسانی و ہم رنگی کو محسوس کر سکتا ہے۔

سابق سورہ میں نفس انسانی سے متعلق فرمایا ہے: ' قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (٩) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ' [۲۵] (فلاح پائی جس نے اس کو پاکیزہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا) اس سورہ میں اسی بنیادی مسئلہ کو لیا اور بتایا کہ نفس کو کیا چیز آلودہ کرتی اور اس سے اس کو بچانے کی کیا تدبیر ہے اور کیا چیز اس کو پاکیزہ بناتی ہے اور یہ پاکیزگی اس کو کس طرح حاصل ہوتی ہے۔

---

[۲۵] - الشمس ۹۱: ۹-۱۰

۹۳- سورة الضحی

سورہ کا عمود اور سابق و لاحق سے تعلق

یہ سورہ اور بعد کی سورہ... اَلَمْ نَشْرَحْ... دونوں توام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس مشن پر مامور فرمایا ہے اس میں آپ فائز المرام ہوں گے۔ راہ میں جو رکاوٹیں اس وقت نظر آ رہی ہیں وہ سب دور ہو جائیں گی۔ یہ مضمون پچھلی سورتوں میں بھی آیا ہے۔ البتہ دوسرے مطالب کے ضمن میں آیا ہے لیکن ان دونوں کا خاص مضمون ہی یہی ہے۔ ان کے آئینہ میں آپ کی زندگی کے تمام مراحل گویا آپ کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں۔ ان میں تسلی کا جو انداز اختیار فرمایا گیا ہے اس پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ضحی مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی ہے کہ آپ آگے کی راہ مسدود پا کر دل گرفتہ رہنے لگے اور سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مخالفت کی شدت کے علی الرغم افق میں کامیابی کے کچھ آثار بھی نمایاں ہونے لگے ہیں۔

۹۴-سورة الشرح

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ کی مثنیٰ ہے۔ سورۂ ضحی کے بعد یہ بغیر کسی تمہید کے اس طرح شروع ہو گئی ہے گویا سابق سورہ میں جو مضمون 'اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی' (الضحیٰ ۹۳:۶) اور اس کے بعد کی آیات میں بیان ہوا ہے اسی کی اس میں تکمیل کر دی گئی ہے۔ بس اتنا فرق نظر آتا ہے کہ سابق سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن الطاف و عنایات کو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تسلی کا ذریعہ بنایا ہے ان کا تعلق بعثت سے قبل یا ابتدائے بعثت کے دور سے ہے اور اس میں جن افضال و احسانات کا حوالہ دیا ہے وہ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب آپ کی دعوت کا چرچا مکہ سے نکل کر عرب کے دوسرے گوشوں میں بھی پہنچ چکا ہے۔

سابق سورہ میں آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ دعوت کے پہلو سے آپ کا مستقبل آپ کے ماضی اور حاضر سے بہت بہتر ہو گا، آپ اس وقت جن مشکلات سے دوچار ہیں وہ قانون قدرت کے مطابق آپ کی تربیت کے لیے ہیں وہ جلد دور ہو جائیں گی۔ اس سورہ میں اس بشارت کی صداقت کے چند نمایاں شواہد کا حوالہ دے کر تاکید کے ساتھ آپ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں آپ کو جو دشواری بھی پیش آئے گی اس کے پہلو بہ پہلو فیروز مندی بھی ہو گی بشرطیکہ آپ عزم و جزم کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہونے کا حوصلہ کریں۔

٩٥- سورة التین

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کی ترتیب

اس سورہ کا عمود جزا و سزا کا اثبات ہے۔ اس کی تمہید یوں اٹھائی ہے کہ دنیا میں انبیائے کرام کی بعثت و دعوت کے جو اہم مراکز ہیں پہلے ان کا ذکر بصورت قسم یعنی بطور شہادت کیا اور اس کی روشنی میں یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت پر، نہایت اعلیٰ فطرت اور نہایت برتر صلاحیتوں کے ساتھ، پیدا کیا ہے لیکن اس برتری کو قائم رکھنے اور ان اعلیٰ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے اس نے یہ سنت ٹھہرائی ہے کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کریں گے اور اس راہ کی صعوبتوں کا عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کریں گے تو وہ اپنی اس جدوجہد کا بھرپور صلہ پائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو نفس پرستی اور تن آسانی کے باعث اس راہ کے عقبات کو پار کرنے اور اس کی صعوبتوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اختیار کی ہوئی راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دے گا اور وہ بالآخر اس کھڈ میں گریں گے جو یہ راہ اختیار کرنے والوں کے لیے مقدر ہے۔

یہاں پچھلی دونوں توام سورتوں میں آیات ’ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى . وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ‘(٢٦) کی تفسیر پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ ان میں بھی ایک دوسرے پہلو سے یہی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے جو اس سورہ میں پیش کی گئی ہے۔ اس سے سابق اور لاحق دونوں سورتوں کا تعلق واضح ہو جائے گا۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ بالکل حق و عدل پر مبنی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی نظر میں نیک و بد دونوں یکساں ہیں حالانکہ یہ بات بالبداہت باطل ہے۔ جس خدا نے لوگوں کو نیکی اور بدی کا شعور دیا ہے لازم ہے کہ وہ سب

---

(٢٦) -الم نشرح ٩۴:۵

سے بڑھ کر نیک اور بد میں امتیاز کرنے والا اور ہر ایک کے ساتھ اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ کرنے والا ہو۔

آگے سورۂ عصر میں بھی یہی حقیقت ذرا مختلف الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ اس کو بھی سامنے رکھ لیجیے تو اس سورہ کے رخ کو معین کرنے میں آسانی ہو گی۔ فرمایا ہے:

وَالْعَصْرِ .إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ . إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ .⁽٢٧⁾

''زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔''

---

٢٧ - العصر ١٠٣: ١-٣

۹۶- سورة العلق

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... التین ... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔

سابق سورہ میں تاریخی شواہد اور فطرت انسانی کی اعلیٰ ساخت سے یہ حقیقت نمایاں فرمائی ہے کہ انسان کے لیے فلاح کی راہ یہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرے۔ جو لوگ یہ راہ اختیار نہیں کرتے وہ بالآخر تباہی کے کھڈ میں گر کے رہتے ہیں اور اپنے اس انجام کے وہ خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی کلیہ کی روشنی میں اس سورہ میں قریش اور ان کے لیڈروں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ سیدھی راہ اختیار کرنے کے بجائے بالکل الٹی چال چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے فضل و کرم سے ان کی رہنمائی کے لیے اپنا صحیفۂ ہدایت اتارا لیکن ان کے طغیان کا حال یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ ان کے لیے ایمان و عمل صالح کی راہ کھول رہا ہے یہ اس کے جانی دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے رب کی نماز پڑھتا ہے تو یہ شامت زدہ لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہیں بلکہ اس سے بالجبر روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۹۷- سورة القدر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

قرآن مجید نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے خلق پر جو احسان عظیم فرمایا اور تعلیم بالقلم کا اہتمام کر کے اس کی حفاظت اور خلق کی ہدایت کا جو سامان کیا اس کا ذکر سابق سورہ میں بالاجمال ہوا ہے۔ اب اس سورہ کا موضوع ہی نزول قرآن ہے۔ اس میں خاص اس مبارک رات کی نشان دہی فرمائی گئی ہے جس میں اس کا نزول ہوا اور ساتھ ہی اس رات کی وہ اہمیت و عظمت بیان ہوئی ہے جو دوسری راتوں کے بالمقابل اس کو حاصل ہے۔ اگرچہ یہ باتیں اسرار کائنات سے تعلق رکھنے والی ہیں، جن کی پوری حقیقت دوسرے نہیں سمجھ سکتے، لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے جس سے اہل علم فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس کے بیان سے مقصود قرآن کے مخاطبوں کو آگاہ کرنا ہے کہ وہ اس کتاب کے معاملے میں جو رویہ اختیار کریں وہ چند باتوں پر پوری سنجیدگی سے غور کر کے اختیار کریں۔

ایک یہ کہ یہ کتاب کسی شخص کی ذاتی امنگ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اسکیم کے تحت اور خود اپنے اہتمام میں اتاری ہے۔

دوسری یہ کہ اس کی نوعیت کسی ہنگامی اور وقتی واقعہ کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس رات میں اتارا ہے جو نظام عالم میں اس کے ہاں امور مہمہ کی تقسیم و تنفیذ کے لیے مخصوص ہے۔ یہ ایک ہی رات ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس میں ابدی قدر و قیمت رکھنے والے امور طے پاتے ہیں۔ اس کی رحمتوں سے جو اپنے کو محروم کر لیتے ہیں وہ پھر کسی اور راہ سے ان کو حاصل نہیں کر سکتے۔

تیسری یہ کہ اس میں کسی شیطانی چھوت کا کوئی ادنیٰ دخل بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو کامل سلامتی کی رات بنایا ہے جو شیاطین کی گردش، ان کی مداخلت اور ان کی دراندازیوں سے بالکل مامون ہے۔

۹۸- سورة البينة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... القدر... کی مثنیٰ ہے۔ اس میں قرآن کی عظمت بیان ہوئی ہے اور اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں گٹھ جوڑ کر کے اس وقت قرآن کی تکذیب کے لیے جو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کے باب میں انھیں کوئی واقعی شبہ ہے بلکہ اس کا سبب محض ان کا استکبار ہے۔ وہ ظاہر تو یہ کر رہے ہیں کہ اگر ان کو کوئی کھلی ہوئی نشانی دکھا دی جائے تو وہ اس کو مان لیں گے لیکن یہ محض ان کا فریب ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو قائل کرنے والا نہیں بن سکتا۔ یہ اس کو دیکھ کر بھی اپنے استکبار پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی بات بنا ہی لیں گے۔ اہل کتاب آج مشرکین کی جو پشت پناہی اور قرآن کی تکذیب کے لیے ان کو جو اعتراضات القاء کر رہے ہیں اگر اپنی تاریخ کے آئینہ میں اپنے کردار کو دیکھیں تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جس طرح کے معجزے کا مطالبہ وہ آج کر رہے ہیں اسی قسم کے معجزوں کا مطالبہ ان کے پیش روؤں نے اپنے زمانے میں اپنے پیغمبروں سے کیا اور وہ ان کو دکھا بھی دیے گئے لیکن سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی انھوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کا تیاپانچا کر کے رکھ دیا۔ ایمان لانے کے لیے اصل چیز اللہ کی خشیت ہے۔ جن کے اندر یہ خشیت موجود ہے وہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔ رہے وہ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں خواہ ان کو کتنی ہی بڑی نشانی دکھا دی جائے۔

۹۹-سورة الزلزلة

سورہ کا مضمون اور ترتیب بیان

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن انسان کی کوئی چیز بھی ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی بلکہ اس کی ہر نیکی و بدی خواہ اس نے کتنے ہی پردوں کے اندر چھپ کر کی ہو، اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور وہ اس کی جزا یا سزا پائے گا۔ اس دن ہر شخص اپنے اعمال سے متعلق خود جواب دہ ہو گا۔ کوئی دوسرا نہ اس کا حامی و مددگار ہو گا اور نہ کوئی اس کا سفارشی بنے گا۔

اس مدّعا کو واضح کرنے کے لیے پہلے اس ہلچل کی تصویر کھینچی گئی ہے جو قیامت کے دن اس زمین میں برپا ہو گی اور جس کے نتیجے میں وہ سب کچھ باہر آ جائے گا جو اس کے اندر مدفون ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے ایماء سے اپنی ساری کہانی کہہ سنائے گی تاکہ انسان پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اس نے اس کے اندر کہاں کہاں کیا کچھ چھپایا اور کیا کیا کہا اور کیا ہے۔ اس کے بعد ہر ایک اپنی نیکی بھی دیکھے گا، اگر اس نے کوئی نیکی کی ہو گی اگرچہ وہ کتنی ہی حقیر ہو اور وہ برائی بھی دیکھے گا جس کا وہ مرتکب ہوا ہو گا اگرچہ وہ برائی کتنی ہی چھوٹی ہو۔

پچھلی سورتوں کے مطالب اگر ذہن میں محفوظ ہیں تو اس سورہ کے انذار کی اہمیت کا اندازہ کرنے میں کچھ زحمت نہیں ہو گی۔ قیامت کے باب میں منکرین کے بڑے مغالطے تین تھے۔ ایک یہ کہ یہ زمین و آسمان بھلا درہم برہم کس طرح ہو سکتے ہیں؟ دوسرا یہ کہ انسان کے تمام اقوال و افعال کا بھلا کوئی احاطہ کر سکتا ہے کہ ان کا حساب کرنے بیٹھے؟ تیسرا یہ کہ اگر یہ باتیں ممکن بھی فرض کر لی جائیں جب بھی خود ان کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے، ان کے شرکاء اپنی سفارش سے ان کو ہر آفت سے بچا لیں گے اور ان کو خدا کے ہاں بڑے بڑے درجے دلوائیں گے۔ اس سورہ میں ان کے ان تینوں مغالطوں پر ضرب لگائی گئی ہے۔

۱۰۰- سورة العاديات

سورہ کا مضمون اور ترتیب بیان

اس سورہ میں انسان کے ناشکرے پن پر اس کو تنبیہ اور ملامت ہے۔ اس کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں وہ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے ان وسائل و ذرائع ہی سے حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشے ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ جب سب کچھ خدا کی عنایت سے حاصل ہوا ہے تو اس پر خدا کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنا بھی واجب ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ خدا کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتا بلکہ علانیہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتیں اور صلاحیتیں خود اسی کے خلاف استعمال کرتا ہے اور اس بات کی ذرا پروا نہیں کرتا کہ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جس دن کوئی چیز بھی ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی بلکہ سینوں کے راز تک بھی اگلوا لیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پورے علم کے ساتھ ہر ایک کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو جزا یا سزا دے گا۔

گویا اس سورہ کا اصل مضمون تو وہی ہے جو سابق سورہ... الزلزال... کا ہے لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ اُس میں اس دن کی تصویر ہے جس دن یہ سب کچھ ہو گا اور اِس سورہ میں اس کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کی وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

ترتیب بیان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے تصرف میں جو حیوانات دیے ہیں ان میں سے خاص طور پر جنگی گھوڑوں کی ان جاں فشانیوں، جاں بازیوں اور قربانیوں کا بطریق قسم حوالہ دیا ہے جو وہ اپنے آقا یعنی انسان کی اطاعت و خدمت کی راہ میں کرتے ہیں اور پھر انسان کی ناشکری و ناسپاسی پر اس کو ملامت کی ہے کہ آخر وہ اپنے ان غلاموں اور مملوکوں کی اس وفادارانہ روش سے یہ سبق کیوں نہیں سیکھتا کہ وہ بھی کسی مالک کا مملوک، کسی راب کا مربوب اور کسی آقا کا غلام ہے اور اس پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی انھی کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی بندگی اور اس کے احکام کی اطاعت میں سرگرم رہے۔

آخر میں انسان کے بخل اواس کی زر پرستی پر ملامت کی ہے کہ وہ پاتا تو سب کچھ خدا سے ہے لیکن وہ اسی سے اپنے مال کو بچانے اور چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کہاں اور کب تک چھپائے گا! ایک دن زمین کے سارے دفینے اور دلوں کے سارے راز آشکارا ہو کر رہیں گے! عاقل وہ ہیں جو اس دن کے لیے تیاری کریں۔

۱۰۱-سورة القارعة

سورہ کا مضمون اور ترتیب بیان

اس سورہ میں یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ جس قیامت سے ڈرایا جا رہا ہے اس وقت اگرچہ کسی کو نہیں معلوم لیکن اس کا آنا یقینی ہے۔ جس طرح کوئی اچانک آکر دروازے پر دستک دیتا ہے اسی طرح وہ اچانک آدھمکے گی۔ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کھٹکا ہر وقت لگا رہے۔ اس دن کسی کے پاس کوئی قوت و جمعیت نہیں ہو گی۔ لوگ قبروں سے اس طرح پراگندہ نکلیں گے جس طرح برسات میں پتنگے نکلتے ہیں۔ ہر ایک پر نفسی نفسی کی حالت طاری ہو گی۔ کوئی بھی کسی دوسرے کی مدد کر سکنے کی پوزیشن میں نہ ہو گا۔ اس دن قلعے، مورچے، حصار تو درکنار پہاڑوں کا حال یہ ہو گا کہ وہ دھنکی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے۔ اس دن صرف نیک عمل ہی کام آنے والا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی میزان عدل قائم کرے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ جنت کے عیش جاوداں میں ہو گا اور جس کی بدیوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ دوزخ کے کھڈ میں بھڑکتی آگ کے اندر پھینک دیا جائے گا۔

۱۰۲-سورة التکاثر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور ترتیب بیان

یہ سورہ سابق سورہ... القارعہ... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے مضمون میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ سابق سورہ میں بتایا ہے کہ آخرت میں کام آنے والی چیز وہ نیکیاں ہیں جو اس دنیا میں کر لی جائیں۔ خدا کی میزان میں انھی کے اندر وزن ہو گا۔ جس نے ان کا ذخیرہ جمع کر لیا وہ فلاح پائے گا اور جو ان سے محروم رہا اس نے، خواہ کتنا ہی خزانہ اکٹھا کر لیا ہو، اس کی میزان بالکل بے وزن رہے گی۔ حسرت واندوہ کے سوا اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔

اب اس سورہ میں ان لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے جنھوں نے ساری عمر اس جدوجہد میں کھپا دی کہ مال و دولت کے اعتبار سے وہ دوسروں سے آگے نکل جائیں، ان کا بنک بیلنس سب سے زیادہ ہو جائے، کاروباری میدان میں کوئی ان کا حریف نہ رہے۔ معیار زندگی کی مسابقت میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ جائیں۔ بس اسی تگ و دو میں ان کی ساری زندگی ختم ہو گئی اور اس امر پر غور کرنے کی انھیں کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ آگے ایک یقینی مرحلہ حساب کتاب اور جزا و سزا کا بھی آنے والا ہے۔ جس سے بے پروا ہ کر زندگی گزارنے والوں کو جہنم سے سابقہ پیش آئے گا اور اس دن ہر ایک سے یہ پرسش بھی ہونی ہے کہ اس نے دنیا میں جو کچھ حاصل کیا کس راہ سے حاصل کیا اور اس کو کس راہ میں صرف کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو قوتیں اور صلاحیتیں اور جو نعمتیں اس کو بخشیں ان کا کتنا حصہ اس نے بخشنے والے کی خوشنودی کے لیے استعمال کیا اور کتنا اپنے نفس اور شیطان کی خوشنودی کے لیے۔

۱۰۳-سورة العصر

سورہ کا مضمون، سابق سورہ سے تعلق اور ترتیب بیان

سابق سورہ... التکاثر... میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جو ساری عمر اسی دنیا کے مال و متاع جمع کرنے کی فکر میں گنوا بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ موت کی گھڑی آجاتی ہے اور انھیں یہ سوچنے کی فرصت کبھی نہیں ملتی کہ یہ عمر عزیز اللہ تعالیٰ نے انھیں کس مقصد بلند کی خاطر عطا فرمائی اور وہ اس کو کس بوالہوسی و بے حاصلی میں برباد کر بیٹھے۔ اگر وہ جانتے کہ ایک دن تمام نعمتوں کی طرح زندگی کی عظیم نعمت سے متعلق بھی ان سے سوال ہو گا کہ اس کو انھوں نے کس کام میں صرف کیا تو وہ ہرگز یہ حماقت نہ کرتے کہ جس چیز سے وہ ابدی بادشاہی حاصل کر سکتے تھے اس کو دنیا کے خزف ریزے جمع کرنے اور اپنے لیے ابدی لعنت کا سامان کرنے پر قربان کر دیتے۔ اب اس سورہ میں بتایا ہے کہ زندگی کی اصل قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا چیز اس کو ابدی فلاح کی ضامن بناتی ہے اور کیا چیز اس کو دائمی خسران میں تبدیل کر دیتی ہے؟ کس طرح انسان اس کو اپنے لیے رحمت بنا سکتا ہے اور کس طرح یہ آپ سے آپ اس کے لیے نقمت اور عذاب بن جاتی ہے اگر وہ اس کو رحمت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس میں زمانہ کی قَسم بطور شہادت کھائی گئی ہے کہ انسان غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ اس دنیا میں اصل سرمایہ جو اسے حاصل ہے بس وہ تھوڑا سا وقت ہے جو مہلت حیات کیا ور کوئی نہین جانتا کہ وہ کتنا ہے اور ہے بھی یا نہیں اور ہے تو وہ اپنے ساتھ کیا احوال و مسائل اور کیا تقاضے و مطالبے رکھتا ہے جو وقت آتا ہے وہ اپنے مطالبے اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان حاضر کے فرض کو مستقبل پر ٹال سکے۔

اس اہم حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے بعد وہ صحیح طریقہ بتایا جس کو اختیار کرنے والے اپنی مہلت حیات سے صحیح فائدہ اٹھاتے اور اس حیات چند روزہ کے بدلے حیات جاوداں پاتے ہیں۔ اگرچہ یہ طریقہ صرف چند لفظوں میں بتایا گیا ہے لیکن ایسے جامع اور حکیمانہ اسلوب میں بتایا گیا ہے کہ انسان تدبر

کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں سے متعلق اس پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں جو اسے ادا کرنے ہیں اور جن کے ادا کرنے ہی پر اس کی ابدی فلاح کا انحصار ہے۔

غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ قرآن کا بھی اصل مقصد اسی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا اور انسان کی شخصی و اجتماعی زندگی کو آخرت کے نصب العین کے تحت منظم کرنا ہے۔ گویا جو بات قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں میں سمجھائی گئی ہے وہ اس سورہ کی تین آیتوں میں سمو دی گئی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں اشارہ فرمایا ہے کہ ”اگر لوگ تنہا اسی سورہ... العصر... پر غور کریں تو ان کے لیے کفایت کرے۔“

۱۰۴-سورة الهمزة

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور ترتیب بیان

یہ سورہ سابق سورہ... العصر... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے مضمون میں نہایت واضح مناسبت، جو باوّل وہلہ سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ سابق سورہ میں فلاح پانے والے انسانوں کا کردار یہ بیان ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین کرتے ہیں اور اس سورہ میں اس کے بالکل ضد کردار یعنی ان بخیلوں کا کردار بیان ہوا ہے جو روپیہ گن گن کر رکھتے ہیں اور لوگوں کو ادائے حقوق پر ابھارنا تو درکنار، کسی کو اگر دیکھ پائیں کہ وہ ادائے حقوق کے معاملے میں عملاً و قولاً سرگرم ہے تو اپنے طعن و طنز اور ہمز و لمز سے اس کا قافیہ تنگ کر دیتے ہیں اور ان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کا حوصلہ اتنا پست کر دیں کہ وہ بھی انہی کی طرح بے حس و بے غیرت بن کر رہ جائے تاکہ اس کی بخالت پر پردہ پڑا رہے اور اس کی دعوت و تلقین سے ان کے ضمیر کو خِفّت و ندامت کی اذیت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

قرآن نے بخیل سرمایہ داروں کے اس کردار کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا ہے۔ مثلاً سورۂ توبہ میں فرمایا ہے:

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ[۲۸] ”جو لوگ خوش دلی سے انفاق کرنے والے اہل ایمان پر ان کے صدقات کے باب میں نکتہ چینی کرتے ہیں اور جو غریب اپنی محنت و مزدوری ہی سے انفاق کرتے ہیں تو ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں، اللہ نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔“

اس آیت کے تحت ہم نے تدبر قرآن میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

---

[۲۸] - التوبہ ۹:۷۹

”’مُتَطَوِّعُ‘ اور ’مُطَّوِّعُ‘ دونوں ایک ہی لفظ ہیں۔ ’مُطَّوِّعُ‘ اس کو کہتے ہیں جو صرف فرائض و واجبات ہی ادا کر لینے پر قناعت نہ کر بیٹھے بلکہ اپنی خوشی اور حوصلہ مندی سے نفلی نیکیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔“

”’لَمز‘ کے معنی عیب لگانا، ہجو کرنا، مذمت کرنا۔“

”اوپر کی آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ منافقین نہ صرف یہ کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے دیکھ نہیں سکتے۔ جس کو خرچ کرتے دیکھتے ہیں اس کو فوراً ہمز و لمز کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ جو فیاض اور مخلص مسلمان اپنی فیاضی اور خوش دلی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کو تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے، اپنی دین داری کی دھونس جمانے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔ اور جو غریب بے چارے کچھ رکھتے ہی نہیں، بس اپنی محنت مزدوری کی گاڑھی کمائی ہی میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کے لیے یہ ان کا مذاق اڑاتے اور انپر پھبتیاں چست کرتے ہیں کہلو، آج یہ بھی اٹھے ہیں کہ حاتم کا نام دنیا سے مٹا کے رکھ دیں گے۔“

”بخیلوں اور کنجوسوں کی نفسیات کا یہ پہلو ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اپنی بخالت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ دوسرے بھی بخیل بنے رہیں۔ نکٹا دوسروں کو بھی نکٹا ہی دیکھنا چاہتا ہے تا کہ اسے کوئی نکٹا کہنے والا باقی نہ رہے۔ یہی نفسیات ان بخیلوں کی بھی تھی۔ پھر اس سے ان کے اسلام دشمنی کے جذبابہ کو بھی تسکین ہوتی تھی۔ وہ نہ خود خدا کی راہ میں کوڑی خرچ کرنا چاہتے تھے، نہ اس بات پر راضی تھے کہ کوئی دوسرا خرچ کرے۔ اپنی اس خواہش کے برخلاف جب دوسروں کو دیکھتے کہ وہ اسلام کے لیے اس دریا دلی سے لٹا رہے ہیں گویا اپنے ہی گھر بھر رہے ہیں، یہاں تک کہ مزدور اپنی مزدوری میں سے، بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر، اس خوشی سے دیتا ہے گویا اپنی آدھ سیر کھجور یا جَو کے عوض دولت کونین خرید رہا ہے تو ان بخیلوں کے سینہ پر سانپ لوٹ جاتا۔ وہ غصہ سے کھولتے اور حسد سے جلتے پھر اپنے دل کا بخار طعن و تشنیع، طنز اور پھبتی سے نکالتے۔“(۲۹)

بخیلوں کا یہ کردار ان کی بے بسی کی تصویر ہے۔ بخالت کے سبب سے نہ یہ حوصلہ ان کے اندر ہوتا کہ ادائے حقوق کے میدان میں سبقت کر سکیں اور نہ ادائے حقوق کی دعوت دینے والوں کی زبانیں ہی

---

۲۹ - اصلاحی، تدبر قرآن، ۳: ۲۰۳-۲۰۲

بند کر سکتے۔ اپنی مدافعت کی واحد تدبیر ان کے پاس صرف یہ رہ جاتی ہے کہ ان لوگوں کا مذاق اڑائیں اور ان پر پھبتیاں چست کریں جن کی دعوت سے ان کی پردہ دری ہو رہی ہو۔ ان کی یہ کوشش چونکہ اپنے باطن پر پردہ ڈالنے کی تھی اس وجہ سے قرآن نے اس سورہ میں ان کے ظاہر و باطن کے ہر گوشہ کو اچھی طرح بے نقاب کر دیا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ ان سورتوں میں اگرچہ اصلاً زیر بحث بخیلوں کا کردار ہے لیکن یہی کردار ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو دوسری اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنے سے برتر کردار رکھنے والوں کا مقابلہ ہمیشہ اپنے ہمز و لمز سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قوم لوط کے گنڈوں نے جب دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی دعوت اصلاح کے مقابل میں ان کے لیے اپنی آبرو بچانا دشوار ہو رہا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے رویہ کی اصلاح کرتے انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر فقرے چست کرنے شروع کر دیے کہ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُوْنَ(۳۰) ”یہ لوگ بڑے پارسا بنتے ہیں“۔ اور قوم کو ابھارا کہ ان لوگوں کو ملک سے باہر نکالو، ورنہ یہ پوری قوم کو ذلیل کر دیں گے۔

---

۳۰ - النمل ۵۶:۲۷

۱۰۵-سورة الفيل

سورہ کا عمود، سابق و لاحق سے تعلق اور ترتیب بیان

’القارعۃ‘ سے لے کر ’الھمزۃ‘ تک خاص بات جو قریش پر واضح فرمائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ انھوں نے مال اور اولاد کے عشق میں مبتلا ہو کر اللہ اور بندوں کے حقوق تو تمام برباد کر دیے ہیں لیکن یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وارث اور ان کے بنائے ہوئے گھر کے متولی ہیں۔ اب اس سورہ اور اس کے بعد کی سورہ... قریش ... میں، جو اس کی توام ہے، ان کو یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تمھیں اس سرزمین میں جو امن اور رزق حاصل ہے وہ تمھاری تدبیر و قابلیت اور تمھارے استحقاق کا کرشمہ نہیں بلکہ یہ تمام تر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ان کے بنائے ہوئے اس گھر کی برکت کا ثمرہ ہے اس وجہ سے تم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس امن و رزق پر نازاں ہونے کے بجائے اس گھر کے خداوند کی بندگی کرو جس نے تمھیں بھوک میں کھلایا اور خطرہ سے نچنت کیا ہے۔ یہ مضمون آگے والی سورہ میں یوں واضح فرمایا گیا ہے: ’فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ (٣) الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ‘ (٣١) (پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے خداوند کی بندگی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور خطرے سے نچنت کیا) ان دونوں سورتوں میں بس یہ فرق ہے کہ سورۂ فیل میں ایک نہایت اہم شہادت اس امر کی پیش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی حفاظت کے لیے اپنی کیا شان دکھائی ہے اور سورۂ قریش میں یہ واضح کیا ہے کہ اس سرزمین کے باشندوں کے لیے رزق و فضل کی جو راہیں کھلی ہیں وہ اسی گھر کے واسطہ سے کھلی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ کی سرزمین میں بسایا ہے اس وقت یہ علاقہ امن اور رزق کے وسائل سے بالکل محروم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کے لیے دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کی ذریت کو یہ دونوں چیزیں حرم ہی کے واسطہ سے حاصل ہوئیں لیکن بعد میں لوگ اس حقیقت کو فراموش کر کے اپنی بدمستیوں میں کھو گئے۔ ان کی اس ناشکری پر قرآن نے ان کو جگہ

---

٣١ - قریش ١٠٦: ٣-٤

جگہ تنبیہ فرمائی ہے جس کی وضاحت ہم کرتے آرہے ہیں۔ اس گروپ کی سورتوں میں سے سورۂ بلد میں بھی اس کے بعض اہم پہلو زیر بحث آئے ہیں، تفصیل مطلوب ہو تو اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

زیر نظر سورہ میں قریش کو ابرہہ کی اس فوج کشی کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس نے بیت اللہ الحرام کو ڈھا دینے کے ناپاک ارادے سے ساٹھ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ، مکہ پر کی۔ ایک ایسے بھاری لشکر سے، بالخصوص جب کہ اس کا ہراول دستہ ہاتھیوں پر مشتمل ہو، عربوں کے لیے میدان میں نکل کر عہدہ بر آ ہونا آسان نہیں تھا اس وجہ سے انھوں نے پہاڑوں میں محفوظ ہو کر سنگ باری کی صورت میں اپنی مدافعت کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ مدافعت ایک کمزور مدافعت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید غیبی سے ان کی اسی کمزور مدافعت کو ابرہہ کے لشکر گراں کے لیے ایک قہر الٰہی بنا دیا اور وہ اس طرح تباہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا گوشت مکہ کی وادی میں چیلوں، کوّوں اور گِدھوں کو کھلایا۔

۱۰۶-سورة قریش

سورہ کا عمود، سابق ولاحق سے تعلق اور ترتیب بیان

یہ سورہ سابق سورہ... الفیل ... کی توام ہے۔ اس کی تفسیر میں ہم دونوں سورتوں کے عمود کی طرف ایک جامع اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ قریش بیت اللہ کے ساتھ جس نوعیت کی وابستگی رکھتے تھے وہ ان پر واضح کر کے اس کے فطری حق کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

سابقسورہ میں یہ دکھایا ہے کہ اس سرزمین میں ان کو جو امن حاصل ہے وہ اسی گھر کی بدولت حاصل ہے۔ اس سورہ میں یہ دکھایا ہے کہ اس سرزمین میں ان کو رزق کے جو وسائل حاصل ہیں ان کی راہیں بھی اسی گھر کی بدولت کھلی ہیں۔ اس وجہ حق ہے کہ وہ اس گھر کے خداوند کی عبادت کریں، اس کے اس حق میں بلا دلیل دوسروں کو شریک نہ کریں۔

ایک اچھی حکومت سے شہریوں کو جو برکتیں حاصل ہوتی ہیں ان میں سر فہرست یہی دو چیزیں ہیں: امن اور رزق۔ سرزمین مکہ میں یہ دونوں برکتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بدولت قریش کو بیت اللہ ہی کے طفیل حاصل ہوئیں۔ اس کا فطری حق یہی تھا کہ ان کی وابستگی کلیۃً اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ہوتی لیکن قریش نے شرک میں مبتلا ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے گھر میں دوسرے فرضی دیویوں دیوتاؤں کو لا بٹھایا۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ اس گھر کے ساتھ اپنی وابستگی کی نوعیت کو نہ بھولیں۔ یہ گھر انھیں خدا ہی نے امانت میں دیا تھا۔ اسی کی بدولت انھیں امن بھی حاصل ہوا اور اسی کے فیض سے رزق کی راہیں بھی کشادہ ہوئیں۔ اگر انھوں نے اس گھر کے رب کی ناشکری کی تو یاد رکھیں کہ اس گھر کی پاسبانی کا شرف بھی کھو بیٹھیں گے اور ساتھ ہی وہ تمام روحانی ومادی برکتیں بھی جو اس گھر کی بدولت انھیں حاصل ہیں۔

سورہ میں پہلے اس وابستگی کی خاص نوعیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو قریش کو سرزمین مکہ اور بیت اللہ کے ساتھ حاصل ہوئی۔ پھر ان کے ان تجارتی سفروں کے ساتھ ان کی وابستگی کا حوالہ دیا ہے جو سردیوں اور گرمیوں میں بالالتزام وہ کرتے اور جن پر ان کی تمام معاشی آسودگی کا انحصار تھا۔ ان کی معاشی زندگی میں خون کی گردش انہی تجارتی سفروں سے تھی اور ان کی کامیابی کی ضمانت ان کو بیت اللہ کے متولی ہونے کی بدولت حاصل تھی۔ اس

شرف سے محروم ہو کر وہ یہ درجہ نہیں حاصل کر سکتے تھے کہ جو راستے دوسروں کے لیے غیر محفوظ تھے ان میں ان کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لیے راہ کے قبائل بدرقہ فراہم کریں۔

۱۰۷-سورة الماعون

سورہ کا عمود، سابق ولاحق سے تعلق اور ترتیب بیان

اوپر کی دونوں توام سورتوں ... الفیل اور قریش ... میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ قریش کو رزق و امن کی تمام نعمتیں بیت اللہ کی بدولت حاصل ہوئیں، اس کا حق یہ تھا کہ یہ لوگ اس گھر کے خداوند کی بندگی کرتے اور جس مقصد کے لیے یہ تعمیر ہوا تھا اور ان کی تولیت میں دیا گیا تھا اس کو کامل وفاداری کے ساتھ پورا کرتے۔ اب آگے کی دونوں توام سورتوں ... الماعون اور الکوثر... میں پہلے تو قریش کے ان لیڈروں کا کردار دکھایا جا رہا ہے جو سورہ کے زمانۂ نزول میں بیت اللہ کے منتظم ہو متولی تھے، پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اب یہ لوگ اس بات کے اہل نہیں رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس محترم گھر کے متولی بنے رہیں، انھوں نے اس کے تمام مقاصد برباد کر دیے ہیں اس وجہ سے سزاوار ہیں کہ معزول ہوں اور یہ امانت ان لوگوں کے سپرد کی جائے جو اس کے اہل ہیں۔

سورۂ زیر بحث میں ترتیب بیان اس طرح ہے کہ پہلے قریش کے ایک لیڈر کے کردار کی طرف نہایت تعجب انگیز بلکہ نفرت انگیز انداز میں توجہ دلائی ہے کہ یہ شخص جس شقاوت قلب کے ساتھ یتیموں کو دھکے دیتا ہے وہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ اس کا سینہ جزا و سزا کے عقیدے سے خالی ہے۔ اگرچہ اس کا نام نہیں لیا گیا ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اشارہ ابولہب کی طرف ہے جو سورہ کے زمانۂ نزول میں بیت اللہ کے تمام مالی وسائل پر تنہا قابض و مصرف تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے کردار پر روشنی ڈالی ہے جو بیت اللہ میں آکر بظاہر نماز کی رسم تو ادا کرتے لیکن ان کی نماز بالکل بے روح، محض ایک قسم کی ایکٹنگ، ہوتی۔ چنانچہ ان کی خسّت کا یہ حال تھا کہ انفاق تو درکنار روزمرہ ضروریات زندگی کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان سے کوئی مانگ بیٹھے تو وہ بھی دینے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ بیت اللہ کے بنیادی مقصد دو تھے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کا مرکز ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ فقرا اور یتامیٰ کی ہمدردی و خدمت کا ایک موثر ادارہ ہو۔ اس کے متولیوں کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ان دونوں مقاصد کے پورے کرنے کا اہتمام کرتے لیکن جن متولیوں کا کردار بیان ہوا ہے ان سے ان دونوں میں سے

کسی مقصد کے پورے ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس وجہ سے آگے کی سورہ میں ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔

۱۰۸- سورۃ الکوثر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور پیغمبرؐ کو بشارت

سابق سورہ... الماعون... میں آپ نے دیکھا کہ قریش کے لیڈروں پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ بیت اللہ کے جوار میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کو جس مقصد کے لیے بسایا اور جس کی خاطر ان کے لیے امن اور رزق کی دعا فرمائی وہ مقصد انھوں نے بالکل برباد کر دیا۔ یہ گھر خدائے واحد کی عبادت اور فقراء و یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت کے مرکز کی حیثیت سے قائم کیا گیا لیکن اب جو لوگ اس پر قابض ہیں ان کو نہ نماز کی خبر ہے نہ یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا کوئی لحاظ ہے۔ اس بات کے بیان سے مقصود ظاہر ہے کہ قریش کے اس فخر و ناز پر ضرب لگانا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس گھر کا متولی جو سمجھے بیٹھے ہیں اور یہ گمان جو رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے منظور نظر ہیں ان کو یہاں سے کوئی ہلا نہیں سکتا، یہ محض ایک زعم باطل ہے۔ لیکن اس سورہ میں صرف فرد قرار داد جرم بیان کر کے بات ختم کر دی۔ یہ نہیں بتایا کہ اس جرم پر یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں؟ یہ بات مستقلاً سورۂ زیر بحث میں بتائی ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو براہ راست خطاب کر کے بشارت دی ہے کہ اب خیر کثیر کے اس خزانہ یعنی بیت اللہ کو ان خائنوں سے لے کر ہم نے تمہاری تحویل میں دیا تو تم اپنے رب ہی کی نماز پڑھنا اور اسی کے لیے قربانی کرنا، ان مشرکوں کی طرح اس کو شرک سے آلودہ نہ ہونے دینا۔ ساتھ ہی مخالفین کو یہ وعید بھی سنا دی کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں اور برکتیں حاصل ہوئیں وہ اس گھر کی بدولت ہی حاصل ہوئیں، اس سے منقطع ہو جانے کے بعد وہ تمام برکتوں سے محروم ہو جائیں گے جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہو گا کہ ان کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ ان برکتوں سے اب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نوازے گا جو اس کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور اس کے حقوق ادا کریں گے۔ وہ اس سرزمین میں تمکن و اقتدار حاصل کر کے اس گھر کو اس کے اصل ابراہیمی جمال سے منور کریں گے۔

یہ سورہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بشارت کی سورہ ہے اور 'اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ' میں حرف تاکید اور صیغۂ ماضی وعدے کی قطعیت کے اظہار کے لیے ہے جس کی مثالیں قرآن میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو بات طے ہو جاتی ہے اس کو کوئی دوسرا بدل سکنے پر قادر نہیں اس وجہ سے اگرچہ وہ مستقبل کے متعلق ہو لیکن قطعیت کے اظہار کے لیے ماضی کے صیغہ میں کی جاتی ہے بالخصوص بشارت کے مواقع میں۔

مکی زندگی کے آخری دور میں، جب مسلمانوں پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا، آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فتح و غلبہ کی بشارت مختلف سورتوں میں دی گئی ہے۔ یہ بشارت بھی اسی نوعیت کی ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس بشارت ہی کے سبب سے اس سورہ کو واقعۂ حدیبیہ کے دور سے متعلق مانا ہے، استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ قرب ہجرت کی سورتوں میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے اس قسم کی بشارتیں دی گئی ہیں اور وہ ہر گروپ کی آخری مکی سورتوں میں موجود ہیں۔ ان کے حوالے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قریش پر روز اول ہی سے یہ بات واضح تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا جھگڑا یہ ہے کہ ملت ابراہیم پر کون ہے، وہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ پھر اسی جھگڑے کا لازمی نتیجہ یہ بھی وہ سمجھتے تھے کہ بیت اللہ کی تولیت کا اصلی حق دار وہی ہے جو اصل ملت ابراہیم کا وارث ہے۔ قریش اپنے موروثی پندار کی بنا پر اپنے آپ کو ملت ابراہیمؑ کا وارث اور بیت اللہ کی تولیت کا حق دار سمجھتے تھے اور یہ رعونت ان کے اندر اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ وہ حرم میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نماز پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ذہن میں نبی ﷺ کی دعوت سے یہ حقیقت اچھی طرح راسخ ہو چکی تھی کہ بیت اللہ پر قریش کا قبضہ غاصبانہ ہے اور ایک دن اس کو ان کے قبضہ سے آزاد کرانا بعثت محمدی کی اصل غایت ہے۔

یہ بات بھی فریقین پر واضح تھی کہ جو اس گھر سے کٹا وہ ایک شاخ بریدہ ہو کے رہ جائے گا اور اس کی جڑ سارے عرب سے کٹ جائے گی۔ یہ چیز بھی مقتضی تھی کہ ہجرت کے موقع ہی پر نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اطمینان دلا دیا جائے کہ بیت اللہ کی خدمت و تولیت کا شرف ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ جو کشمکش اس وقت قریش کے ساتھ برپا ہے وہ اللہ کے رسول کے غلبہ پر منتہی ہو گی اور جڑ اللہ کے رسول کی نہیں کٹے گی، جیسا کہ قریش گمان رکھتے ہیں، بلکہ اعدائے رسول کی کٹے گی۔ در حقیقت نصرت الٰہی کی یہی بشارت تھی جس نے مسلمانوں کے لیے ہجرت جیسے کٹھن امتحان کو آسان بنا دیا ورنہ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کوئی آسان بازی نہیں تھی۔

۱۰۹-سورة الکافرون

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مدّعا کی ترتیب

اس سورہ میں نبی ﷺ کی طرف سے قریش کے ائمۂ کفر سے براءت کا اعلان ہے پچھلی سورتوں میں بھی تمام تر بحث قریش کے لیڈروں ہی سے رہی ہے لیکن خطاب ان سے قومی اور انسانی بنیاد پر ہوا ہے، کہیں بھی ’یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ‘ کے الفاظ سے ان کو خطاب نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اس سورہ میں ان کو صاف صاف ’اے کافرو!‘ کے الفاظ سے مخاطب کر کے ان سے بالکل حتمی طور پر قطع تعلق اور براءت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ یہ اعلان براءت رسولوں کی اس سنت کے مطابق ہوا ہے جس کی وضاحت پچھلی سورتوں میں ہو چکی ہے کہ اللہ کے رسول اپنی قوم کو پہلے دین کی بنیادی باتوں ... توحید اور قیامت ... کی دعوت دیتے ہیں۔ اس دعوت میں وہ قوم کو ’اپنی قوم‘ ہی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہیں اور اس پر اس وقت تک پوری استقامت سے جمے رہتے ہیں جب تک قوم کے اعیان و اکابر اپنے رویہ سے ان کو مایوس نہیں کر دیتے۔ جب وہ مایوس کر دیتے ہیں اور بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ہٹ دھرم اپنی ضد سے باز آنے والے نہیں ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور وہ قوم سے اعلان براءت کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر جاتا ہے۔ رسول کی ہجرت قوم کے لیے گویا آخری تنبیہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر اس کے رویہ میں کوئی اچھی تبدیلی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک محدود مہلت دینے کے بعد قوم کے تمام مکذبین کو تباہ کر دیتا ہے، خواہ یہ تباہی رسول کی زندگی ہی میں واقع ہو یا اس کے بعد اور خواہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی قہر آسمانی نازل کرے یا رسول کے ساتھیوں کی تلوار اس کے لیے بے نیام ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ تک تمام رسولوں کی جو تاریخ قرآن میں بیان ہوئی ہے اس میں یہ مشترک حقیقت موجود ہے اور ہم اس کے تمام پہلوؤں کی وضاحت برابر کرتے آرہے ہیں۔

یہاں ’یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ‘ سے خطاب، ظاہر ہے کہ، انہی ائمۂ کفر سے ہے جو اس دور میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ان کی مسلسل مخالفت نے یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ یہ چیز کسی شبہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ موروثی قیادت کا پندار ہے جس نے ان کو بالکل اندھا بہرا دشمن بنا دیا ہے اور اب خدا کے تازیانۂ عذاب کے سوا کوئی اور چیز ان پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ مخاطب کی اس ذہنیت کی بنا پر اس سورہ میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں وہ بالکل

دوٹوک الفاظ میں فرمائی گئی ہیں اور ہر بات بالکل مبنی بر حقیقت ہے۔ جن لوگوں نے اس خطاب کو مذمت یا غضب پر محمول کیا ہے ان کی رائے صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی جماعت کا کفر اس وقت تک واضح ہوتا ہی نہیں جب تک اہل حق اس پر اتمام حجت نہ کر دیں۔ اتمام حجت کے بعد ہی اس کا کفر واضح ہوتا ہے اور اس کے بعد ہی یہ بات جائز ہوتی ہے کہ اہل حق اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیں بلکہ ضرورت داعی ہو تو اس سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے ہجرت اور جہاد کے لیے اقدام اتمام حجت کے بعد ہی کیا ہے اور یہی حق وعدل کا تقاضا ہے۔

اس سورہ نے قریش کے لیڈروں کے ساتھ دین کے معاملے میں کسی سمجھوتے کے تمام امکانات کا قطعی سدباب کر دیا ہے اس وجہ سے یہ صرف ہجرت ہی کی سورہ نہیں بلکہ یہ معناً اعلان جنگ کی سورہ بھی ہے۔ سورۂ یونس میں وضاحت سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ قریش کے لیڈروں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ اگر ہم سے اپنے دین کو منوانا ہے تو اس کی واحد شکل یہ ہے کہ یا تو اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ایسی مناسب ترمیم کرو کہ یہ ہمارے لیے قابل قبول ہو سکے: ' ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ' (یونس ۱۵:۱۰) (اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ترمیم کرو)۔ اس آیت کی تفسیر کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں کہ (ملاحظہ ہو تدبر قرآن۔ جلد سوم صفحہ ۸۲) قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سب سے زیادہ اصرار قرآن کی دعوت توحید کی ترمیم پر تھا، وہ اس کو اپنے آباء کے عقیدے کے بھی خلاف سمجھتے تھے اور یہ اندیشہ بھی رکھتے تھے کہ اگر اللہ کے سوا انھوں نے تمام معبودوں کو ہی باطل ٹھہرا دیا، جیسا کہ قرآن مطالبہ کر رہا ہے، تو اس سے ان کی سیاسی ہستی ہی سرے سے ختم ہو جائے گی۔ ان کے اس مطالبہ کا جواب نبی ﷺ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ' قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي '(۳۲) (ان سے کہہ دو کہ مجھے کیا حق ہے کہ میں بطور خود اس میں کوئی ترمیم کروں)۔ اگرچہ یہ جواب قریش کے لیے مایوس کن تھا لیکن فیصلہ کن نہیں تھا۔ لیکن اس سورہ میں اس کا ایسا حتمی اور فیصلہ کن جواب دیا گیا ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ اس معاملے میں اب کسی سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہے، اگر قریش اپنی ضد پر قائم رہے تو بالآخر اس کا فیصلہ تلوار سے ہو گا۔

---

(۳۲) -یونس ۱۵:۱۰

ترتیب میں اس سورہ کا سورۂ کوثر کے بعد جگہ پانا بھی اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ سورۂ کوثر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ فتح مکہ کی بشارت ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہجرت اور اعلان جہاد کی سورہ سے پہلے ہی نبی ﷺ کو فتح و نصرت کی بشارت دے دی گئی تا کہ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اگرچہ آگے ہجرت اور جنگ کے کٹھن مرحلے آنے والے ہیں لیکن انجام ان کا نہایت شان دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے رسول کو فتح سے نوازے گا اور وہ دنیا و آخرت دونوں کے کوثر سے شاد کام ہوں گے۔ اسی طرح کی بشارت حضورؐ کو ہجرت کی اس دعا میں دی گئی ہے جو سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے: 'وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ'(۳۳) (اور دعا کرو کہ اے میرے رب، مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور نکال عزت کا نکالنا) اس دعا پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کے پیرائے میں آنحضرت ﷺ کو یہ بشارت دے دی ہے کہ اگرچہ آپ کے مکہ سے نکلنے کا وقت اب قریب آ رہا ہے لیکن اس نکلنے سے پہلے ہی اللہ نے دار الہجرت میں آپ کے شان دار داخلہ کا انتظام کر لیا ہے۔

مختصر الفاظ میں اس سورہ میں نبی ﷺ کی زبان سے قریش کے لیڈروں کے سامنے یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان دین کے بنیادی مسئلہ ... معبود ... کے باب میں کوئی قدر مشترک نہ حاضر میں ہے، نہ ماضی میں رہی ہے اور نہ مستقبل میں اب اس کے پائے جانے کا امکان ہے اس وجہ سے ہمارے مابین کسی مفاہمت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب تم اپنے دین پر چلو، ہم اپنے دین پر چلیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے۔

---

[۳۳] - بني إسرائيل ۱۷:۸۰

۱۱۰-سورة النصر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا خلاصہ

سابق سورہ... الکٰفرون... سے متعلق وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ براءت ہجرت اور معناً اعلان جنگ کی سورہ ہے۔ اب اس سورہ میں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ آپؐ کے لیے خاص نصرت غیبی ظاہر ہو گی، مکہ فتح ہو گا اور جس مشن پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مامور فرمایا آپ اس سے سرخ روئی کے ساتھ فارغ ہو کر اپنے رب کی خوشنودی و رضامندی سے سرفراز ہوں گے۔ سورۂ فتح کی ابتدائی آیات میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ وہاں ہم نے وضاحت سے اس کے ہر پہلو پر بحث کی ہے۔ تفصیل کے طالب اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

ہجرت، جہاد اور فتح و نصرت میں جو گہرا ربط ہے اس کی طرف ہم سابق سورہ... الکٰفرون... میں بھی اشارہ کر چکے ہیں اور اس کتاب کے دوسرے مقامات میں بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ رسولوں کی دعوت میں ہجرت کا مرحلہ ہی وہ مرحلہ ہے جب ان کی قوم پر اللہ کی حجت تمام ہوئی ہے، جب انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ، قوم سے الگ ہو کر، اپنی ایک خاص ہیئت تنظیمی بنائی ہے، جب قوم تمام صالح عناصر سے خالی ہو جانے کے سبب سے بالکل ایک جسد بے روح ہو کر رہ گئی ہے اور اہل ایمان اپنے عقائد و تصورات کی آزاد فضا میں پہنچ کر ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت بن گئے ہیں کہ جو ان سے ٹکرایا اس نے شکست کھائی اور جس پر وہ گرے اس کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ رسولوں نے اپنے دشمنوں سے جو جنگ کی ہے وہ ہمیشہ ہجرت کے بعد ہی کی ہے اور اس جنگ میں اگرچہ جماعت کی تربیت کے پہلو سے بعض اوقات آزمائشیں بھی ان کو پیش آئی ہیں لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان کو وہ فتح حاصل ہوئی ہے جس کو چیلنج کرنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی کے واقعات اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

ہجرت اور فتح و نصرت کے درمیان یہی وہ رشتہ ہے جس کے سبب سے یہ سورہ جو بالاتفاق مدنی ہے، ایک مکی سورہ کی مثنیٰ قرار پائی۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول سے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں یہ سب سے آخری سورہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک اسی دوسرے قول کو ترجیح حاصل ہے۔

اس کی اول وجہ یہ ہے کہ قرآن اور نبی ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت ملت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی اور ملت ابراہیمؑ کا اصل مرکز چونکہ بیت اللہ ہی تھا اس وجہ سے اس کو خائنوں کے تسلط سے آزاد اور ملت ابراہیمی کی خصوصیات سے معمور و آباد کرنا آپ کے مشن کا اصلی اور تکمیلی کام تھا۔ چنانچہ ’الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا‘ (المائدہ:۵:۳) میں اسی کام کو آپ کا تکمیلی کام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جو کام ہوئے وہ سب اسی کے توابع و مقتضیات تھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب میں اصل طاقت قریش ہی کی تھی جو مکہ پر قابض تھے اور بیت اللہ کے متولی ہونے کے سبب سے تمام عرب پر اپنی دھاک جمائے ہوئے تھے۔ ان کی طاقت کو توڑ دینا ہی اصل فتح تھی۔ ان کی طاقت توڑے بغیر کوئی فتح نہ حقیقی معنوں میں فتح ہو سکتی تھی اور نہ ان کی طاقت کے ٹوٹ جانے کے بعد کسی اور کے لیے یہ امکان باقی رہ جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی کسی درجہ میں بھی کوئی مزاحمت کر سکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں جس نصرت اور جس فتح کا ذکر ہے اور وہ جس انداز سے آیا ہے وہ عام نصرت اور فتح نہیں ہے بلکہ یہ اس نصرت اور فتح کا ذکر ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں اور سنت الٰہی کے تقاضوں کی روشنی میں ہجرت کے بعد ہر مسلمان کے دل میں رچی بسی ہوئی تھی اور جس کے ظہور کا ہر مسلمان دل سے متمنی تھا۔ یہ وہ نصرت ہے جس کا ذکر سورۂ مجادلہ کی آیت ۲۱ ’كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي‘ (اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول) میں آیا ہے۔ اور یہ اس فتح و نصرت کا حوالہ ہے جس کا ذکر سورۂ صف آیت ۱۳ میں بدیں الفاظ وارد ہوا ہے: ’وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ‘ (اور ایک اور عظیم فیروزمندی بھی ہے جس کی تم تمنا رکھتے ہو، وہ ہے اللہ کی نصرت اور عنقریب ظہور میں آنے والی فتح) ان آیات میں جس نصرت اور فتح کی طرف اشارہ ہے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فتح مکہ سے ہے اس کے سوا کسی اور فتح و نصرت کو یہاں مراد لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس سورہ کا نزول فتح مکہ کے بعد مانا ہے انھیں ایک روایت کے سمجھنے میں غلط فہمی پیش آئی ہے لیکن اس پر نہ یہاں بحث کی گنجائش ہے اور نہ غالباً ہماری ساری بحث غور سے پڑھ لینے کے بعد اس کی کوئی خاص ضرورت ہی باقی رہے گی۔

یہ سورہ اپنے مزاج کے اعتبار سے یکسر بشارت ہے۔ فیصلہ کن نصرت کی بشارت، مکہ کی آزادی کی بشارت، اللہ کے دین میں لوگوں کے جوق در جوق داخل ہونے کی بشارت اور آخرت میں نبی ﷺ کو اپنے مفوّضہ

مشن سے سرخ روئی کے ساتھ فارغ ہونے کی بشارت۔ اس آخری بشارت سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ اب دنیا سے آپؐ کے رخصت ہونے کا وقت قریب آرہا ہے اس وجہ سے آپ کو اپنے رب کی حمد و تسبیح میں مزید اضافہ کر دینا چاہیے تاکہ اس عظیم انعام کا حق بھی ادا ہو جو تکمیل دین کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا اور خدائے توّاب کی مزید عنایت بھی آپ کو حاصل ہو تاکہ آپ اپنی سعی کا بڑے سے بڑا اجر اپنے رب کے پاس پائیں۔ اسی ٹکڑے سے قرآن کے سب سے بڑے نکتہ دان حضرت ابن عباسؓ نے یہ نکتہ نکالا کہ اس میں حضور ﷺ کی وفات کی خبر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ نکتہ دقیق ہے، جس کے دقیق ہونے کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تحسین و تصویب فرمائی ہے۔ لیکن یہ نکتہ بھی اپنے اندر نبی ﷺ کے لیے ایک بہت بڑی بشارت رکھتا ہے۔

۱۱۱- سورة اللهب

سورہ کا عمود اور سابق ولاحق سے تعلق

اس سورہ کے عمود اور سابق ولاحق سے اس کے تعلق پر استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایسی جامع اور حکیمانہ بحث کی ہے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے اسی کے بعض اہم اقتباسات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ مولان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”سورۂ نصر کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی بعثت فتح مکہ پر تمام کی۔ اسی طرح آپ کے لائے ہوئے صحیفہ کو اس فتح عظیم کے ذکر پر ختم کیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حق اپنے مرکز پر پہنچ گیا۔ خانۂ کعبہ کے مرکز توحید و اسلام اور سرچشمۂ ملت ابراہیمؑ ہونے کے سبب سے فتح مکہ ہی آپ کی بعثت کا گویا آخری اور تکمیلی کام تھا۔ اس کے بعد صرف ثابت قدمی اور استقامت کی ضرورت رہتی تھی جس کے لیے تین سورتیں اس کے بعد لگا دی گئیں۔ سورۂ اخلاص، جو تمام معارف توحید کا خزانہ اور دین کی بنیاد ہے اور سورۂ فلق و سورۂ ناس دعائے استقامت کی تعلیم اور شیاطین جن وانس کی تاخت سے اس خزانہ کی حفاظت کے لیے۔“

اس کے بعد مولانا علیہ الرحمۃ سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوّذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) کے اس جھرمٹ میں سورۂ لہب کے رکھے جانے کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں: ”اس تمہید سے واضح ہوا کہ یہ تمام سورتیں ... سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوّذتین ... باہم دگر مربوط ہیں اس وجہ سے سورۂ لہب کا ان کے درمیان رکھا جانا بھی لازماً کسی حکمت پر مبنی ہو گا ورنہ یہ پورا سلسلۂ نظم درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ غور و فکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ نصر میں جس فتح و غلبہ کا ذکر ہے سورۂ لہب میں اسی کی وضاحت و بشارت۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کو غلبہ دیا اور اس کے دشمن کو برباد کیا۔ چنانچہ دوسرے مقام میں یہ بات یوں واضح فرمائی گئی: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[۳۴]

”حق نمودار ہو گیا اور باطل برباد ہوا۔ بلاشبہ باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔“

---

[۳۴] - بني إسرائيل ۸۱:۱۷

اس نظم کی نہایت خوب صورت مثال آنحضرت ﷺ کے اس خطبہ میں بھی ہے جو آپ نے فتح مکہ کے دن، خانہ کعبہ کے دروازے پر دیا۔ آپ نے فرمایا: لا إله إلا الله وحده وصدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده. ”خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کی تمام پارٹیوں کو یکہ و تنہا شکست دی۔“

بظاہر تو یہ تین الگ الگ فقرے ہیں لیکن ایک صاحب نظر کے لیے ان تینوں کے اندر علی الترتیب تین سورتوں کے مضمون پنہاں ہیں۔ پہلا فقرہ لا إله إلا الله وحده سورۂ کافرون کے ہم معنی ہے۔ دوسرا فقرہ ’وصدق وعده ونصر عبده‘ سورۂ نصر کا ہم مضمون ہے۔ تیسرا جملہ ’وهزم الأحزاب وحده‘ اور سورۂ لہب ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح یہ تینوں فقرے ایک صاحب نظر کے لیے بالکل مربوط و منظم ہیں اسی طرح جو لوگ ان سورتوں کے مضامین پر غور کریں گے وہ ان سب کو ایک ہی زنجیر کی مربوط کڑیوں کی شکل میں پائیں گے۔“

۱۱۲- سورة الإخلاص

سورہ کا عمود، ترتیب میں اس کا مقام، زمانۂ نزول اور سابق ولاحق سے تعلق

یہ سورہ ان سورتوں میں سے ہے جن کے نام ہی سے ان کے مضمون (عمود) کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا نام 'اخلاص' ہے اور یہ اخلاص ہی اس کا عمود ہے۔ اخلاص کا مطلب اللہ واحد پر اس طرح ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات یا صفات یا ان صفات کے لازمی تقاضوں میں کسی پہلو سے کسی دوسرے کی شرکت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو ماننے کا تعلق ہے دنیا نے اس کو ہمیشہ مانا ہے۔ یہ چیز انسانی فطرت کا بدیہی تقاضا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شیطان توحید کا ابدی دشمن ہے اس وجہ سے وہ انسان کو فریب دے دے کر اس ماننے میں ایسی ملاوٹیں کرتا رہا ہے کہ ماننا اور نہ ماننا دونوں یکساں ہو کے رہ گیا ہے۔ توحید کی اصل حقیقت کو اجاگر کرتے رہنے ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے برابر اپنے رسول بھیجے لیکن انسان بار بار اس حقیقت کو پا پا کر کھوتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید ہی کی خاطر اپنی قوم سے ہجرت کی اور اپنی اولاد کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں بسایا کہ وہ مشرکانہ ماحول سے بالکل محفوظ رہ کر صرف اللہ واحد کی عبادت کرے لیکن پچھلی سورتوں میں آپ نے دیکھا کہ آپ ہی کی ذریت نے آپ ہی کے بنائے ہوئے مرکز توحید (بیت اللہ) کو ایک بت خانے کی شکل میں تبدیل کر دیا اور وہ اپنے خود تراشیدہ بتوں کی عصبیت میں اتنی سخت ہو گئی کہ خدا کے آخری رسول سے وہ اس بات پر لڑتی رہی کہ جب تک ان کے بتوں کا مقام تسلیم نہ کر لیا جائے گا وہ خدا کا حق بھی تسلیم نہیں کرے گی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے جواب میں وہ فیصلہ کن اعلان براءت کرنا پڑا جو سورۂ کافرون میں آپ نے پڑھا۔

یہ اعلان اگرچہ کافی تھا لیکن اس کا تعلق اصلاً قریش اور مشرکین مکہ سے تھا۔ عرب میں اہل کتاب کے بھی مختلف قبائل تھے۔ یہ لوگ اگرچہ حامل کتاب ہونے کے مدعی تھے لیکن شیطان نے ان کو بھی ورغلا کر شرک کی نہایت گھنونی قسموں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مدینہ اور اس کے اطراف میں ان کا خاصا اثر تھا یہاں تک کہ دینی معاملات میں اہل عرب بھی ان کی برتری علانیہ تسلیم کرتے تھے۔

جب تک آنحضرت ﷺ مکہ میں رہے اس وقت تک تو ان کی مخالفت درپردہ رہی لیکن جب آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو ان کی مخالفت بھی علانیہ ہو گئی۔ یہ لوگ چونکہ اہل کتاب تھے اس وجہ سے اس پندار میں مبتلا

رہے کہ قرآن ان کے عقائد و اعمال کو بہر حال مشرکین کے مقابل میں کچھ اونچا درجہ دے گا لیکن قرآن نے ان پر واضح کر دیا کہ عقائد ہوں یا اعمال، ہر پہلو سے وہ نہایت گہرے کھڈ میں گر چکے ہیں۔ خاص طور پر نصاریٰ کے شرک پر قرآن نے جو تنقید کی اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ وہ بھی یہود کی طرح علانیہ میدان مخالفت میں اتر آئے اور مخالفین کے تینوں گروہوں ... مشرکین، یہود اور نصاریٰ ... نے مل کر ایک متحدہ محاذ، اسلام کے خلاف قائم کر لیا۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ اخلاص کی حقیقت واضح کرنے کے لیے آخری سورہ ایسی جامع ہو کہ وہ شرک کے تمام رخنوں کو یک قلم بند اور مشرکین اور اہل کتاب دونوں پر حجت تمام کر دے۔ چنانچہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اگرچہ ایک گروہ نے اس کو مکی قرار دیا ہے لیکن اس سورہ کی جامعیت، جیسا کہ آگے وضاحت ہو گی، دلیل ہے کہ یہ مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے جب اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کی مخالفت بالکل آشکارا ہو گئی ہے۔

قرآن میں اس سورہ کو سورۂ لہب کے بعد جگہ ملی ہے اور ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں کہ یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ اب حق کا سب سے بڑا دشمن ختم ہوا اور وقت آ گیا کہ اس حقیقی توحید کی منادی اس سرزمین سے پھر بلند ہو جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں حرم تعمیر فرمایا۔ سورۂ لہب سے پہلے سورۂ نصر میں فتح کی بشارت تھی۔ اس کے بعد سورۂ لہب میں اسلام کے سب سے بڑے عدد کی ہلاکت کی خبر ہے۔ پھر اس سورہ... الاخلاص... میں اسلام کے بنیادی پتھر... توحید ... کے اس کے اصلی مقام میں نصب کرنے کا اعلان ہے۔ یہ اعلان پیش نظر رکھیے کہ قریش اور اہل کتاب سے نبی ﷺ کی کشمکش ملک و مال کے لیے نہیں تھی بلکہ اس لیے تھی کہ غیر اللہ کی خدائی کے ہر نقش کو مٹا کر اس کی جگہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی خدائی کے نقش کو اس طرح اجاگر کر دیا جائے کہ کسی کے لیے بھی اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس سورہ میں توحید و اخلاص کا ہر پہلو نمایاں کر دیا گیا اور اس کو قرآن کے سب سے آخر میں جگہ دی گئی۔ اس کے بعد جو دو سورتیں ہیں وہ، جیسا کہ ہم نے پیچھے اشارہ کیا، اسی خزانۂ توحید کے پاسبان کی حیثیت رکھتی ہیں شیطان کی رخنہ اندازیوں سے حفاظت کے لیے وہ اس کے ساتھ لگا دی گئی ہیں۔

قرآن مجید کی ترتیب اس طرح ہے کہ اس میں سب سے پہلے توحید و اخلاص کی سورہ... الفاتحۃ ... کو جگہ دی گئی ہے اور پھر سب سے آخر میں بھی توحید و اخلاص ہی کی سورہ... الاخلاص... کو جگہ ملی ہے۔ اس سے اس دین میں توحید کی اہمیت و عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ وہی اس میں اول بھی ہے اور آخر بھی۔ سورۂ فاتحہ میں خدا کی

شکر گزاری کا حق اس پہلو سے واضح فرمایا گیا ہے کہ وہی 'رب العٰلمین' بھی ہے اور وہی 'مالکِ یوٗمِ الدِّیْنِ' بھی۔ پھر اس سورہ میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے، اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان کی گئی ہیں جو ہر اس رخنہ کو بند کر دینے والی ہیں جن سے شرک کوئی راہ پا سکتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ توحید کی تعلیم میں مبادی کی حیثیت رکھتی ہیں اور مقدمہ کتاب میں ہم اس آخری گروپ کی اس خصوصیت پر ایک جامع تبصرہ کر چکے ہیں کہ اس میں ان سورتوں کو جگہ ملی ہے جو دین کی تعلیم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۱۳- سورۃ الفلق

سورہ کا مضمون اور سابق و لاحق سے تعلق

سابق سورہ... الاخلاص... کی تمہید میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ توحید کو دین کی اساس کی حیثیت حاصل ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا آغاز بھی توحید ہی سے فرمایا اور پھر اس کا اتمام بھی اسی پر کیا۔ گویا اصلاً قرآن کی آخری سورۃ الاخلاص ہوئی۔ اس کے بعد دو سورتیں، جو معوّذتین کے نام سے موسوم ہیں، اس خزانۂ توحید کے پاسبان اور محافظ کی حیثیت سے اس کے ساتھ لگا دی گئی ہیں جن میں ان تمام آفتوں سے بندوں کو اپنے رب کی پناہ مانگنے کی دعا تلقین فرمائی گئی ہے جو درباب توحید ان کے لیے مزلۂ قدم ہو سکتی ہیں۔

توحید کے لیے اس اہتمام خاص کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ یہی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، تمام دین کی بنیاد ہے۔ اگر بندے کا قدم توحید میں استوار ہے تو وہ دین پر استوار ہے۔ اگر وقتی طور پر اس سے کوئی لغزش صادر بھی ہو گی تو اساس دین سے وابستہ ہونے کے سبب سے امید ہے کہ اس کو اصلاح کی توفیق ملے اور وہ راہ راست پر آجائے۔ برعکس اس کے اگر درباب توحید اس کو کوئی گمراہی پیش آ گئی تو اندیشہ ہے کہ وہ ہر قدم پر دین سے دور ہی ہوتا جائے گا اور درجہ بدرجہ اتنا دور ہو جائے گا کہ اس کے لیے دین کی طرف بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جائے گا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان جس امتحان میں ڈالا گیا ہے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرتے دم تک شیطان کا مقابلہ کرے اور اس کو شکست دے۔ شیطان کے مقابل میں اس کی اسی فتح مندی پر اس کی اُخروی فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ شیطان کا خاص داؤ جس پر اس نے انسان کو شکست دینے کی قسم کھا رکھی ہے یہی توحید ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج دے رکھا ہے کہ وہ انسان کی گھات میں توحید کی راہ پر بیٹھے گا اور اس کو اس راہ سے ہٹا کر شرک کی راہ پر ڈال دے گا۔ سورۂ اعراف میں اس کے اس چیلنج کا ذکر یوں ہوا ہے:

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ . ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ.(٣٥)

”شیطان نے کہا، بوجہ اس کے کہ تونے مجھے گمراہی میں ڈالا، میں بھی ان کی (بنی آدم کی) گھات میں تیری سیدھی راہ (توحید) پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دہنے سے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا۔ پس تو ان سے اکثر کو اپنا شکر گزار (موحّد) نہیں پائے گا۔“

شیطان کے ان ہتھکنڈوں کی تفصیل جو وہ انسان کو شرک کے جال میں پھنسانے کے لیے اختیار کرے گا خود شیطان کی زبان سے سورۂ نساء میں یوں بیان ہوئی ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا . إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا . لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا . وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا.(٣٦)

”اللہ اس جرم کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہیں ان کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو وہ نہایت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے بھی ہیں تو دیویوں کو، اور پکارتے بھی ہیں تو شیطان سرکش کو۔ اس پر اللہ کی لعنت۔ اور اس نے کہہ رکھا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ہتھیا کر رہوں گا۔ ان کو گمراہ کر ڈالوں گا، ان کو آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو بدلیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو کارساز بنائے گا تو وہ نہایت کھلی نامرادی میں پڑا۔“

اس سے بھی زیادہ جامعیت سے یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ٦٥-٦١ میں بھی آیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ ان آیات کی تفسیر تدبر قرآن میں پڑھ لیجیے (ملاحظہ ہو **تدبر قرآن**۔ جلد سوم، صفحات ٧٦٥-٧٦٣) تا کہ ان

---

٣٥ - الاعراف ٧: ١٦-١٧

٣٦ - النساء ٤: ١١٦- ١١٩

کے مضمرات اچھی طرح آپ کے سامنے آجائیں اور واضح ہو جائے کہ شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ وہ انسان کو شرک کے کسی پھندے میں پھنسائے تاکہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کر کے خدا کی رحمت سے بالکل محروم ہو جائے جس کے لیے مغفرت نہیں ہے۔ شیطان کے دل میں بنی آدم کے خلاف جو حسد و غصہ ہے وہ اسی انتقام سے تسکین پاتا ہے۔

یہ چیز مقتضی ہوئی کہ آخر میں توحید کی جامع تعلیم کے ساتھ ساتھ شیطان کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا وہ طریقہ بھی بتا دیا جائے جو سب سے زیادہ کامیاب طریقہ ہے اور جس کو اختیار کر کے اللہ کا ہر بندہ شیطان کے حملوں سے اپنے خزانۂ توحید کی حفاظت کر سکتا ہے۔

اسی طریقہ کو واضح کرنے کے لیے آگے کی دونوں سورتوں میں پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ شیطان جیسے شاطر دشمن کے حملوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا واحد طریق یہ ہے کہ انسان صرف اپنے رب کی پناہ ڈھونڈھے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اس کی شاطرانہ چالوں اور کیّادیوں سے بچانے والا نہیں ہے۔ اگر انسان اس کے لیے ہر لمحہ چوکنا نہیں رہے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ شیطان سے مار کھا جائے اور پھر اس کے لیے اس کے دام سے نکلنا مشکل ہو جائے۔

دوسری چیز یہ بتائی گئی ہے کہ خدا کی وہ کیا صفات ہیں جن کے واسطہ سے بندے کو خدا کی وہ پناہ حاصل ہوتی ہے جو اس کو شیطان کے فتنوں سے بالکل مامون کر دیتی ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ ہی کے بتانے کی تھی اور یہ اس کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ اس نے ان سورتوں میں اپنی ان صفات سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا صحیح تعلق اس کی اعلیٰ صفات ہی کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے اور یہ اسی کو معلوم ہے کہ اس کے بندے اپنے کسی دشمن سے مقابلہ کے لیے اپنے رب کی کس صفت کو سپر بنائیں۔ یہ چیز ہر شخص نہیں جان سکتا اور اس میں معمولی غلطی بھی انسان کی جدوجہد کو بے اثر بنا سکتی ہے۔

تیسری چیز اس میں یہ بتائی گئی ہے کہ انسان کو گمراہ کرنے کے معاملے میں شیطان کی جدوجہد کی رسائی کہاں تک ہے اور اس کے سب سے زیادہ موئژ حربے کیا ہیں۔ اس سے مقصود انسان کو اس کے دشمن کی طاقت کا اندازہ کرا دینا ہے تاکہ وہ اس کی قوت سے نہ مرعوب ہو اور نہ اس سے بے پروا رہے بلکہ وہ اچھی طرح آگاہ رہے کہ

دشمن کن راستوں سے اس پر وار کر سکتا ہے اور اس کے مقابلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود اسے کن طاقت ور اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے۔

۱۱۴- سورة الناس

سورہ کا عمود، سابق سے تعلق اور اس کے امتیازی پہلو

سابق سورہ... الفلق... کی تمہید میں ہم اس سورہ کے موقع و محل اور اس کے عمود کی طرف بالاجمال اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ سورہ اس کی مثنیٰ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ جس طرح وہ تعوّذ کی سورہ ہے اسی طرح یہ بھی تعوّذ کی سورہ ہے۔ بس چند پہلو اس کے خاص ہیں جن کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے تا کہ اس کا امتیازی وصف سامنے رہے۔

ایک یہ کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اس کی ان صفات کے توسّل سے چاہی گئی ہے۔ جن کا تعلق براہ راست انسان سے ہے۔ اس وجہ سے اس کی اپیل نہایت موئثر ہے۔ اپیل موئثر تو سابق سورہ کی بھی ہے لیکن اس پر استدلال کا پہلو غالب ہے۔ اس میں استدلال کا پہلو اگرچہ موجود ہے لیکن زیادہ نمایاں پہلو اس میں استرحام کا ہے۔

دوسرا یہ کہ سابق سورہ میں کئی آفتوں سے پناہ مانگی گئی ہے لیکن اس میں ساری توجہ صرف شیطان پر مرکوز کر دی گئی ہے جو درحقیقت تمام آفتوں کی جڑ اور توحید کا، جیسا کہ سابق سورہ میں واضح ہو چکا ہے، ازلی دشمن ہے۔

تیسرا یہ کہ سابق سورہ میں شیطان کا حوالہ صرف اس کے ایک معروف کردار... حسد... سے آیا ہے لیکن اس سورہ میں اس کی اصل تکنیک، اس کے دائرۂ نفوذ و اثر، اس کی ذات اور برادری ہر چیز سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے تا کہ لوگ اپنے اس شاطر دشمن کو اچھی طرح پہچان لیں اور جن کمین گاہوں سے وہ حملہ آور ہو سکتا ہے ان سے ہوشیار رہیں۔

اللہ رب العزت کے فضل سے یہ سلسلہ مکمل ہوا۔ دعا ہے کہ وہ اس جمع و تالیف کی کاوش کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور دلوں میں کتاب اللہ سے تعلق کی محبت پیدا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!!!